33

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

13 تا 19 ستمبر 2006ء

www.tanzeem.org

مذہب اور اخلاق

ہر مذہبی آدمی اخلاقی آدمی نہیں ہوتا۔ خودغرض یا ناواقف مذہب کو بالعموم اصطلاحی حدود میں مقیّد رکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض دوسرے اخلاق کو مذہب سے آزاد اور علیحدہ سمجھتے ہیں۔ مذہب اور اخلاق کو علیحدہ خانوں میں نہیں رکھا جاسکتا اس لئے کہ حقیقتاً اخلاق مذہب سے برآمد ہوا ہے اور اس کا آوردہ و پروردہ ہے۔ اخلاق مذہب کی عملی شکل ہے۔ مذہب سے علیحدہ ہو کر اخلاق پر زور دینا ان لوگوں کا شیوا ہوتا ہے، جن کی نیت بالعموم بخیر نہیں ہوتی۔ مذہب‘ اخلاق کا محافظ و محتسب ہے اور اخلاق بغیر مذہب عورت بغیر شوہر ہے!

خودغرض طبائع مذہب کی ہمہ گیر و ہمہ وقت گرفت سے بچنے کے لئے اخلاق کے دائرے میں پناہ لیتی ہیں۔ جس کی سرحد پھاند کر تہذیب کی قلمرو میں آجاتے ہیں۔ وہاں سے سیاست کی وادی میں پہنچتے ہیں۔ سیاست سے قومیت اور تجارت کی منزلیں دور نہیں رہ جاتیں۔ یہیں پہنچنا بالعموم ان کا مقصد ہوتا ہے۔ مذہب کے تقاضوں سے بچنے یا مذہب کی بلندی سے اُترنے کے لئے جو زینے ہیں ان میں پہلا اخلاق‘ پھر تہذیب‘ اس کے بعد سیاست‘ قومیت اور تجارت ہیں۔ مؤخرالذکر تین کا نامسعود اتحاد آج عالمِ انسانیت کا سب سے بڑا آشوب ہے!

گنج ہائے گراں مایہ
رشید احمد صدیقی

اس شمارے میں

آپ بھی...... ذرا سوچئے؟

نفاق کی حقیقت اور اس کے درجات
سورۃ المنافقون کی روشنی میں

ایک مسجد کا سوال ہے!

اجتہاد...... اعتدال کی راہ کیا ہے؟

نورالدین زنگی کا آخری معرکہ

بغض و کینہ

تفہیم المسائل

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

عالم اسلام

الھدیٰ (246)

سورۃ المائدہ

ڈاکٹر اسرار احمد

(آیات 1-2)

بسم اللہ الرحمن الرَّحیم

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَهِیۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحۡکُمُ مَا
یُرِیۡدُ ﴿۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَلَا الۡهَدۡیَ وَلَا الۡقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ
رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ
وَالتَّقۡوٰی ۪ وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲﴾﴾

''اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پُورا کرو۔ تمہارے لئے چار پائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیئے گئے ہیں بجز اُن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں' مگر احرام (حج) میں شکار کو حلال نہ جاننا۔ اللہ جیسا چاہتا ہے' حکم دیتا ہے۔ مومنو! اللہ کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ اُن جانوروں کی (جو اللہ کی نذر کر دیئے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں اور نہ اُن لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے پروردگار کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں۔ اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ اُنہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا' تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُن پر زیادتی کرنے لگو۔ اور (دیکھو) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

قرآن کریم کی کل سات منزلیں ہیں۔ یہاں سورۃ المائدہ سے دوسری منزل شروع ہو رہی ہے۔ سورۃ المائدہ کا بھی تقریباً وہی اسلوب ہے جو سورۃ النساء کا ہے لیکن یہاں زیادہ تر مخاطب اہل کتاب ہیں۔ سورۃ البقرہ میں شریعت اسلامی کا ابتدائی خاکہ ہے جبکہ تکمیلی احکام یہاں سورۃ المائدہ میں آئیں گے۔ اس کے علاوہ اہلِ کتاب پر اتمام حجت' آخری درجے میں دعوت اور اس ضمن میں فیصلہ کن باتیں یہاں ملیں گی۔

سورۃ النساء ''یا یھاالناس'' سے شروع ہوئی تھی جبکہ سورۃ المائدہ کا آغاز ''یایھاالذین امنوا'' سے ہو رہا ہے۔ اہل ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے عہدوں' معاہدوں اور قول و اقرار کو پورا کیا کرو۔ انسانی سماجی زندگی معاہدوں پر قائم ہے۔ شادی کیا ہے؟ یہ بھی ایک مرد اور ایک عورت کے مابین مل کر زندگی گزارنے کا معاہدہ ہے۔ بیوی کے حقوق شوہر کے ذمہ ہیں' اسی طرح شوہر کے حقوق بیوی کے ذمہ ہیں۔ ہر فریق کو اپنے فرائض کی ادائیگی کرنا ہے۔ بڑے بڑے کاروبار اکثر و بیشتر معاہدوں کی بنیاد پر چل رہے ہیں۔ Employer اور Employee کے درمیان جو تعلق ہے وہ بھی ایک معاہدہ Contract ہے۔ حکومتی عہدے اور مناصب بھی ہیں تو اُن کی کچھ ذمہ داریاں ہیں اور کچھ privileges ہیں۔ تو یہاں معاشرے کی اس اہم بنیاد یعنی معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے کہ جو بھی عہد و پیمان کر لو اُس کی پابندی کرو۔

تمہارے لئے مویشی کی نوعیت کے تمام حیوانات حلال کر دیئے گئے ہیں' ان کا گوشت تم کھا سکتے ہو سوائے اُن کے جو تم کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں یعنی خنزیر کہ وہ حرام ہے اور مردار بھی حرام ہے جیسا کہ بعد ازاں آئے گا۔ شیر' چیتا کی قسم کے جانور وحشی ہیں' مویشی نہیں' اس لئے یہ حرام ہیں۔ البتہ مویشی کی اقسام کے جانور جن کی خوراک سبزہ اور گھاس ہے اور عام طور پر وہ گوشت خور نہیں ہیں وہ حلال کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ اس ضمن میں تم پر ایک پابندی ہے کہ اگر تم نے حج یا عمرے کے لئے احرام باندھا ہوا ہے تو اس حالت میں تم شکار نہیں کر سکتے۔ حلت و حرمت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے' وہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اے اہل ایمان! اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو۔ اسی طرح حرمت والے مہینے کی حرمت قائم رکھو۔ اور قربانی کے جانوروں کی حرمت بھی قائم رکھو جو حج یا عمرہ کرنے والے ساتھ لے کر جا رہے ہوں۔ اور ایسے جانوروں کی بھی بے حرمتی نہ کرو جن کے گلے میں علامتی طور پر پٹے ڈال دیئے گئے ہوں کہ یہ قربانی کے لیے ہیں' اور نہ اُن لوگوں کی حرمت پامال کرو جو بیت الحرام کی طرف سفر کر رہے ہیں' اور اللہ کے گھر کے مسافر ہیں۔ اُن کا استقبال ''مرحباً بضیوف الرحمٰن'' کے الفاظ سے کیا جاتا ہے۔ گویا یہ اللہ کے مہمان ہیں ان کی بے حرمتی ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ یہ سب لوگ اپنے رب کا فضل اور اُس کی رضا کے متلاشی ہیں۔ ہاں جب تم احرام کھول دو' تو پھر شکار کی اجازت ہے۔ اور دیکھنا کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اُن کو مسجد حرام میں آنے سے روک دو' کیونکہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا' انہوں نے چھ' سات سال تک بیت الحرام کے قریب نہیں آنے دیا تو اب ایسا نہ ہو کہ اس کے بدلہ میں تم اُن کو مسجد حرام سے روک کر زیادتی کرنے لگو۔ اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو۔ اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

فرمانِ نبویؐ

بعض تحفے سُود بن جاتے ہیں؟

چودھری رحمت اللہ بٹر

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ شَفَعَ لِاَخِیْهِ بِشَفَاعَةٍ فَاَهْدٰی لَهٗ هَدِیَّةً عَلَیْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰی بَابًا عَظِیْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبَا))

(رواہ ابوداؤدؒ عن ابی امامہ' کتاب البیوع)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے ''بھائی'' کے لیے سفارش کی' بھائی نے سفارش کرنے پر اسے کوئی تحفہ دیا اور اس نے قبول کیا تو وہ سود کے ایک بڑے دروازے میں داخل ہوا۔''

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ بھی............ذرا سوچیے؟

انسانی تاریخ میں جب حکومت اور ریاست ہم معنی تھے۔ جب ہندوستان کے بادشاہ کو ظلِ الٰہی کہہ کر پکارا جاتا تھا' جب برطانیہ کے انگریز ''Divine rights of king'' کے قائل تھے۔ اداروں نے ابھی جنم نہیں لیا تھا۔ اہلِ دربار اور جرنیل پنج ہزاری اور دس ہزاری' یہی تختِ شاہی کے پائے ہوتے تھے۔ اُس وقت دلیل بازی اور ذہن سازی کے لئے بڑی محدود سطح پر محنت کرنے کی ضرورت تھی۔ بادشاہ وقت اہم قومی اور ملکی امور پر اپنے درباریوں سے مشورہ کرتا۔ اکثر وہ اپنی رائے کے مطابق اُن کے ذہن بنانے میں کامیاب ہو جاتا اور فیصلہ نافذ کر دیتا' اگرچہ کبھی کبھار اُسے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا' اور تاریخ میں چند ایک ایسی نظائر موجود ہیں کہ حاکم مطلق بھی اپنا فیصلہ نافذ نہ کر سکا۔

فرعون نے جب اپنے درباریوں کو موسیٰ علیہ السلام کے قتل پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تو آلِ فرعون کا مومن اُس کے راستے میں حائل ہو گیا اور ایسی مدلل تقریر کی کہ دربار کی فضا تبدیل ہو گئی۔ چونکہ مشورہ کا فورم محدود اور مختصر ہوتا تھا' لہٰذا ذہن سازی کے لئے تبلیغ و ابلاغ کا دائرہ بھی انتہائی محدود تھا۔ لیکن جب فیصلوں کا اختیار درباروں سے نکل کر جمہور کو منتقل ہو گیا تو اب ایک یا دو درجن افراد کی نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں افراد کی ذہن سازی کی ضرورت ہے۔ اب افراد کی نہیں اداروں کی اہمیت ہے۔ حکومت کا سربراہ اور اپوزیشن لیڈر ریاست کے ایک جیسے وفادار سمجھے جاتے ہیں۔ اِس صورتِ حال نے میڈیا کی حیثیت اجاگر کی۔ پھر جوں جوں جمہوریت مستحکم ہوتی چلی گئی میڈیا کی قوت و اہمیت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ پھر وہی کچھ ہوا جو کسی بھی شے کے ضرورت سے زیادہ طاقتور ہونے سے ہوتا ہے۔ اقتدار کے خواہشمند سیاست دان میڈیا اور میڈیا کے لوگوں کے بے دام غلام نہیں بلکہ دام ادا کرنے والے غلام بن گئے۔ ہم یہ بات تو کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں کہ عالمی سطح پر اِس وقت پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا کیا رول ادا کر رہا ہے۔ ہمارا اِس وقت گفتگو کا موضوع ''پاکستان میں میڈیا کا رول'' ہے۔ یہ کیا ہے' اِسے کیسا ہونا چاہیے؟ بدقسمتی سے ہمارے ہاں دوسرے شعبہ جات کی طرح یہ شعبہ بھی مکمل طور پر کمرشل ازم کی گرفت میں ہے' چنانچہ میڈیا سرمایہ کشی کا سب سے بڑا ذریعہ بن کر رہ گیا ہے۔

پاکستان کے قیام کا اصل مقصد ایک اسلامی فلاحی جمہوری ریاست کو وجود میں لانا تھا۔ یہ قائداعظم کی درجنوں بلکہ سینکڑوں تقاریر سے واضح ہے۔ اُن کی کسی ایک تقریر کو کھینچ تان کر سیکرلرازم کے حق میں استعمال کرنے کی کوشش شعبدہ بازی تو کہلا سکتی ہے لیکن کسی مؤرخ کو قطعی طور پر متاثر نہیں کر سکتی۔ اور اب تو خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا ہے کہ قائداعظم کے پرائیوٹ سیکرٹری سید شریف الدین پیرزادہ کے منہ سے حالتِ پیری میں یہ سچ نکل گیا ہے کہ قائداعظم کے پیش نظر پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانا تھا اور وہ فوج کو سیاسی حکومت کے تابع دیکھنا چاہتے تھے۔ یعنی وہی بات جو ہم عرصۂ دراز سے کہتے آ رہے ہیں کہ اسلام پاکستان کا باپ ہے اور وہ جمہوریت کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ رائی بھر دیانت رکھنے والا شخص بھی اِس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ پاکستان اسلام کے نام پر جمہوری طریقے سے قائم ہوا تھا۔

دو سوالوں کا جواب بات کو بالکل واضح کر دیتا ہے۔ (1) کیا 1946ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی ناکامی کی صورت میں پاکستان قائم ہو سکتا تھا؟ (2) مسلم لیگ کے حق میں جس قوم نے ووٹ دیا تھا اُس کا مذہب کیا تھا؟ قیامِ پاکستان کی بنیاد پر متفق ہونے کے بعد ہمیں طے کرنا ہوگا کہ پاکستان میں میڈیا کا اصل رول کیا ہونا چاہیے۔ سنسنی خیزی' پگڑیاں اچھالنا اور فحاشی کی تشہیر کسی اسلامی ملک کے میڈیا کا کام نہیں ہو سکتا۔ بقول قائداعظم ہمارا آئین چودہ سو سال پہلے بن چکا ہے۔ ہماری جمہوریت بھی مغربی جمہوریت کی طرح مادر پدر آزاد نہیں ہو سکتی' اِس کا دائرہ کار بھی چودہ سو سالہ پہلے نازل شدہ آئین کی حدود کو کسی قیمت پر پھلانگ نہیں سکتا۔ پارلیمنٹ کو بھی قرآن اور سنت کی چھتری تان کر قانون سازی کرنا ہوگی۔ آج کل ہمارا میڈیا ''ذرا سوچیے'' کی رٹ خوب زور سے لگا رہا ہے' ہمیں کوئی اعتراض نہیں اِس لیے کہ سوچنے اور تدبر کرنے سے انسان کی فکری صلاحیتیں نکھرتی ہیں' لیکن کوئی مسلمان (باقی صفحہ 11 پر)

''تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر''

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 15 — 7 تا 13 ستمبر 2006ء — 13 تا 19 شعبان المعظم 1427ھ — شمارہ 33

بانی: **اقتدار احمد مرحوم**
مدیر مسئول: **حافظ عاکف سعید**
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع**: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا---------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں''

سید قاسم محمود

پینتیسویں غزل

(بالِ جبریل ٗ حصّہ دوم)

مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
تھم اے رہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا!

ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تُو بھی
کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تیغِ بے نیام آیا!

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا!

چل اے میری غریبی کا تماشا دیکھنے والے
وہ محفل اُٹھ گئی جس دمٗ تو مجھ تک دَورِ جام آیا!

دیا اقبالؔ نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ اک مردِ تن آساں تھاٗ تن آسانوں کے کام آیا!

اسی اقبالؔ کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی مدّت کے بعد آخر وہ شاہیں زیرِ دام آیا!

1۔ مطلب یہ ہے کہ جب زندگی میں کوئی ''مشکل مقام'' آجائے تو مسلمان کو پریشان یا مضطرب یا مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ پچھلی رات اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ دُعا کرنی چاہئے۔ بالفاظ دیگرٗ زندگی میں مشکل آتی ہی اس لیے ہے کہ انسان (مسلمان) اللہ کی طرف زیادہ توجہ اور انہماک کے ساتھ مشغول ہو۔ ''مقام'' تصوّف کی اصطلاح ہے۔ سالک کو رُوحانی سفر میں کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فیضانِ الٰہی کے نزول میں کچھ کمی ہو گئی ہے۔ یا ترقی رُک گئی ہے۔ اسے ''مشکل مقام'' کہتے ہیں۔

2۔ تقدیر کی گہرائیوں سے خودی کی مخفی صلاحیتیں یا بلند ترین روحانی مقامات مُراد ہیں۔ ''جنگاہ'' دراصل ''جنگ گاہ'' کا مخفف ہے بمعنی میدانِ جنگ۔ اقبال کہنا یہ چاہتے ہیں کہ خودی کی تربیت بھی جہاد کی ایک قسم ہےٗ جسے اصطلاح میں ''جہاد بالنفس'' کہتے ہیںٗ اور اس سلسلے میں سالک کو اُسی طرح مشقت اور محنت برداشت کرنی پڑتی ہےٗ جس طرح سپاہی کو میدانِ جنگ میں۔ اقبال کہتے ہیں کہ اے مسلمان! تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا۔ یعنی مرشد کی صحبت میں رہ کر اپنی خودی کو مستحکم کر لے۔ اگر تُو اِس معرکے کو سر کر لے گا تو تیغِ بے نیام بن جائے گا۔ یعنی تیرے اندر باطل کو شکست دینے کی طاقت پیدا ہو جائے گی جو مومن کا مقصودِ حیات ہے۔

3۔ مطلب یہ ہے کہ اِس وقت حُجروں میں بیٹھ کر ''اللہ ہُو'' کے نعرے بلند کرنے سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتیٗ بلکہ مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کرنی چاہیے۔ لفظ ''قیام'' اِس شعر کی جان ہے اور اِسی لفظ میں شعر کا سارا لُطف مُضمر ہے۔ قیام کے دو معنی ہے۔ لغوی اور اصطلاحی۔ لغوی معنی: قیام کرناٗ وقوف کرناٗ کھڑا ہوناٗ فقہ کی اصطلاح میں قیام سے مراد نماز میں احترام سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ یہ سجدوں کا وقت نہیں ہےٗ یعنی نمازیں پڑھ پڑھ کر دشمن کے لیے بددُعا کرنے کا وقت نہیں ہےٗ بلکہ قیام کا وقت ہے یعنی دشمن کے مقابلے میں صف آرا ہونے کا وقت ہے۔ دشمن کا مقابلہ کرتے وقت انسان سجدے کی حالت میں نہیں ہوتاٗ بلکہ قیام کی حالت میں ہوتا ہے۔

4۔ اے مخاطب! تُو میری حالتِ زار پر کیا ہنستا ہے۔ جانے بھی دےٗ میری داستان سُن کر کیا کرے گا۔ میں تجھے کیا بتاؤں کہ میرے دل میں کیا کیا آرزوئیں مچل رہی ہیں؟ افسوس اِس بات کا ہے کہ مجھ تک دورِ جام آیا تو بے شکٗ مگر اُس وقت آیا جب ساری محفل اُٹھ گئیٗ یعنی ملت کا نظام ہی درہم برہم ہو گیا۔ یہ شعر رمز وایما کی بہت عمدہ مثال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علمی قابلیت تو عطا فرمائی لیکن اُس دور میں جب نہ کوئی علم وفن کا قدر دان ہے اور نہ کوئی مبصر اور جوہری ہے۔ اربابِ ذوق سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ بادہ نوشی کا لُطف خلوت یا تنہائی میں بالکل نہیں ہےٗ بلکہ محفل یا مجلس میں ہے۔ اسی طرح عالم کو علمی کمالات کے اظہار وابلاغ کا لُطف اُس وقت آتا ہے جب قوم میں اُس فن کے سمجھنے والےٗ قدرداں موجود ہوں۔

5۔ کہتے ہیں کہ میرے اندر عمل (جہاد) کی قوت تو موجود نہیں ہےٗ ہاں دل میں اسلام کی محبت ضرور موجزن ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے کلام کے ذریعے سے وہ جذبہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی پیدا کر دیا ہے۔ اب آئندہ چل کر کوئی انور پاشا یا مہدی سوڈانی یا سید احمد رائے بریلوی بھی پیدا ہو جائے گاٗ جو اُس سوز وگداز سےٗ جو میں نے پیدا کر دیا ہےٗ صحیح کام لے سکے گا۔

6۔ کہتے ہیں کہ میرے اندر سوز وگداز کا یہ رنگٗ یعنی اسلام کی محبت کا یہ جذبہ برسوں کے مطالعۂ قرآن اور مدتوں کے غور وفکر کے بعد پیدا ہوا ہے۔ واضح ہو کہ اقبال نے اپنی زندگی ایک پروفیسرٗ وکیلٗ شاعر اور مصنف کی حیثیت سے شروع کی تھیٗ لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے اسلام کی رُوح سے آگاہی حاصل کی۔ اُس وقت اُنہیں معلوم ہوا کہ اسلام تو عشقِ رسول ﷺ کا دوسرا نام ہے۔ جب اُنہیں اِس حقیقت کا عِلم حاصل ہو گیا تو انہوں نے اپنی قانون دانیٗ فلسفہ طرازیٗ تصنیف وتالیف کی صلاحیتٗ شاعری کی خداداد نعمت غرضیکہ اپنے دل ودماغ کی ساری طاقت کو اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے وقف کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص ابتدائے عُمر میں خدا کے عاجز بندوں سے یہ آرزو کیا کرتا تھا:

نہ آتےٗ ہمیں اِس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے اُنہیں عار کیا تھی

اُس کے اندر آخری عمر میں اللہ تعالیٰ سے یہ کہنے کی جرأت پیدا ہو گئی:

تو باش اینجا و باخاصاں بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

منبر و محراب

نفاق کی حقیقت اور اس کے درجات

سورۃ المنافقون کی آیات 1 تا 4 کی روشنی میں

مسجد دارالسلام' باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے 25 اگست 2006ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

سورۃ المنافقون کی ابتدائی 4 آیات کی تلاوت کے بعد!

پچھلی مرتبہ اللہ کے فضل سے سورۃ التغابن کا بیان مکمل ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان سے متعلق اہم مباحث بڑی جامعیت کے ساتھ اس دو رکوعوں کی سورت میں سمو دیئے ہیں۔ کسی شے کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کی ضد (Antonym) کو سمجھا جائے۔ یوں اس کی حقیقت اور نکھر کر سامنے آئے گی۔ مثلاً رات کے پس منظر میں یہ بات زیادہ واضح ہوتی ہے کہ دن سے کیا مراد ہے۔ اس کی معنویت زیادہ کھل کر سامنے آتی ہے۔ اسی طرح اگرچہ قانونی اور ظاہری حوالے سے ایمان کی ضد کفر ہے' لیکن اگر باطنی اور معنوی اعتبار سے دیکھا جائے تو ایمان کی ایک اور ضد بھی ہے اور وہ ہے نفاق۔ یہ قرآن مجید کا بہت ہی جامع مقام ہے جہاں ایمان کے موضوع پر سورۃ التغابن جبکہ اس سے پہلے سورۃ المنافقون ہے۔ پہلے نفاق کی حقیقت کو بیان کیا گیا اور جھنجھوڑا گیا کہ دیکھنا کہیں اس مرض میں مبتلا نہ ہو جانا' یہ بہت ہولناک شے ہے۔ اس کے بعد ایمان کی حقیقت کو کھول دیا گیا کہ تم اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہو جبکہ اصل ایمان کا معیار اور پیمانہ یہ ہے۔ ہم نے پہلے سورۃ التغابن کا مطالعہ کیا ہے' اب ایمان کے contrast کو سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ حقیقت نفاق کیا ہے! کیا ہم بھی اس کا شکار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

یہ ایک بہت اہم موضوع ہے' اس لیے کہ حدیث میں ایک بڑی عجیب بات آئی ہے کہ نفاق وہ شے ہے جس کا اندیشہ نہیں ہوتا مگر مومن کو۔ جو واقعی صاحب ایمان ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی پونجی عطا کی ہے' اسے شدید اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں یہ مجھ سے زائل ہو کر میرے دل میں منافقت نہ آ جائے۔ جو اس سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتا ہے' درحقیقت اسی شخص پر نفاق کا حملہ ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب نفسیاتی حقیقت ہے جو نبی اکرم ﷺ نے کھول کر بیان فرمائی۔ چنانچہ صحابہ کرام کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی وقت وہ ایمان کی کیفیت مختلف پاتے تھے تو انہیں اپنے بارے میں شبہ ہو جاتا تھا۔ آنحضور ﷺ کا معمول تھا کہ صبح کے وقت صحابہ کرامؓ سے اس قسم کی گفتگو بھی کرتے تھے کہ رات کیسے گزری' صبح کیسی ہوئی۔ چنانچہ ایک صحابی سے جب آپؐ نے پوچھا' تو انہوں نے کہا کہ: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آج تو میری صبح ایک سچے مومن کی صبح ہوئی ہے۔'' اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اس کی کچھ وضاحت کرو' تمہاری کیا کیفیت تھی۔ صحابی نے کہا کہ ایمان و یقین کی کیفیت ایسی تھی جیسے میں اپنی آنکھوں سے جنت کو دیکھ رہا ہوں' اور اپنی آنکھوں سے جہنم کو دیکھ رہا ہوں...... لیکن یہ کیفیت ہر وقت حاصل نہیں ہوتی۔ اہل و عیال' ذریعہ معاش

> جو واقعی صاحب ایمان ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی پونجی عطا کی ہے' اسے شدید اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں یہ مجھ سے زائل ہو کر میرے دل میں منافقت نہ آ جائے۔

بھی ہمارے اس کاروبارِ زندگی کا حصہ ہیں' جب ایک بندۂ مومن صراطِ مستقیم پر چل رہا ہو تو یہ بھی دین کا حصہ بن جاتے ہیں۔ لیکن ان میں ایمان کی وہ کیفیت نہیں ہو گی جو درسِ قرآن سنتے وقت' قرآن پڑھتے ہوئے ہوتی ہے۔ صحابہ کرام جب اس فرق کو بھی محسوس کرتے تھے تو انہیں اندیشہ ہو جاتا تھا کہ کہیں ہمارے اندر نفاق تو نہیں آ گیا۔ اس حوالے سے ایک انصاری صحابی حضرت حنظلہؓ کا واقعہ مشہور ہے' کہ وہ گھر سے نکلے تو بڑی پریشانی کے عالم میں ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے: حنظلہ تو منافق ہو گیا' حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پاس سے گزرے تو پوچھا: کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا: ''میرے ایمان کی کیفیت کبھی اوپر ہوتی ہے کبھی نیچے۔ نبی ﷺ کی صحبت میں ایمان کی جو کیفیت ہوتی ہے' وہ گھر میں آ کر باقی نہیں رہتی۔ یہی تو نفاق ہے۔'' حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ کیفیت تو میری بھی ہے' چلو نبی ﷺ کے پاس چلتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کیفیت نفاق کی نہیں بلکہ عین ایمان کی ہے۔ میری صحبت میں تمہیں جو ایمانی کیفیت حاصل ہوتی ہے' وہ اگر دائمی ہو جائے تو فرشتے تم سے تمہارے بستروں پر مصافحہ کریں۔ ایمان کے درجے اونچے نیچے ہوتے رہتے ہیں' لیکن یہ نفاق نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کو تو اپنے بارے میں اتنا اندیشہ رہتا تھا جبکہ اس حوالے سے ہم سب سے زیادہ بے فکر ہیں۔ ہمیں کوئی کھٹکا نہیں۔ چاہے ہم نماز کی پابندی نہ کریں' اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کو پاؤں تلے روندیں لیکن اپنے ایمان کے بارے میں ہم کسی شک میں مبتلا نہیں ہوتے۔ یہ تشویش ناک بات ہے' لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ نفاق کو سمجھا جائے۔

نفاق کے بارے میں ایک مغالطہ یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دور کا نفاق شاید اسی دور کے لیے مخصوص تھا۔ کچھ لوگ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ایک سازش کے تحت اسلام میں داخل ہوئے لیکن قلبی طور پر وہ پہلے دن سے ہی کافر تھے۔ یہ صحیح ہے کہ اس دور میں کچھ لوگ ایسے تھے' اس کا ذکر سورۂ آل عمران میں ہے' لیکن اس سازش کا پردہ پہلے ہی چاک کر دیا گیا تھا۔ اسی طریقے سے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ وہ مدینہ کی ایک ایسی شخصیت تھی جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی آمد سے قبل ہی یہ طے ہو چکا تھا کہ اس کو بادشاہ تسلیم کر لیا جائے گا' بعض روایات کے مطابق اس مقصد کے لیے ہیروں کا تاج بھی تیار ہو گیا تھا' کہ اسی دوران مدینہ میں نبی ﷺ کی آمد ہو گئی۔ چنانچہ عبداللہ بن اُبی کا سارا خواب چکنا چور ہو گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حالات سے مفاہمت اختیار کر لی جائے' تو وہ ایمان لے آیا' لیکن اول دن سے وہ حقیقی ایمان نہیں لایا تھا۔ تاہم منافقین کی بڑی تعداد اور جس نفاق سے قرآن بحث کر رہا ہے' وہ لوگ اولاً ایمان لائے اور حضور ﷺ کی رسالت کو انہوں نے دل سے مانا' لیکن ایمان لانے کے بعد جب عملی تقاضے

سامنے آئے اور قربانیوں کا مرحلہ آیا' قتال اور انفاق کا حکم دیا گیا تو مال و دولت اور دنیا کی محبت کے باعث انہوں نے اطاعت سے گریز کرنا شروع کیا۔ یہ اصل میں اس مرض کا آغاز تھا جو بالآخر نفاق میں بدل جاتا ہے۔اسی لیے قرآن اس بارے میں کہتا ہے ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾'ان کے دلوں میں بیماری ہے"۔ ایمان کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ہم اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔انسان کا نارمل رویہ لازمی طور پر یہی ہوگا۔ یہ بات خلاف معمول ہوگی کہ ہم کسی ہستی کو رب مان کر اس کے احکامات کو پاؤں تلے روندتے رہیں۔اس کا حکم ایک کان سے سنیں' دوسرے سے اڑا دیں۔ یہ ایک روگ ہے' بیماری ہے۔ یہاں سے اس مرض کا آغاز ہوتا ہے جو رفتہ رفتہ نفاق میں تبدیل ہو جاتا ہے۔اس کا اصل خطرہ صاحب ایمان ہی کو ہے۔ یہ دیمک ہے جو انسان کے ایمان کو اندر ہی اندر چٹ کر جاتی ہے۔ اب ہم سورۃ المنافقون پڑھیں گے کہ اللہ نے اس مرض کو کیسے بیان کیا۔

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾

"اے نبی ﷺ! یہ منافق لوگ جب آپؐ کے پاس آتے ہیں"

﴿قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾

"کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ﷺ ہیں"

﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ﴾

"اور اللہ خوب جانتا ہے کہ آپؐ اس کے رسول ہیں۔"

اللہ سے بڑھ کر کس کو معلوم ہوگا! اُسی نے تو بھیجا ہے رسول بنا کر۔

﴿وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾

"اللہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹ بول رہے ہیں۔"

اس لیے کہ جس بات کی گواہی زبان سے دے رہے ہیں' دل میں وہ حقیقت موجود نہیں۔اگر آپؐ کو اللہ کا رسول واقعی مانا ہوتا تو ہر معاملے میں آپؐ کی اطاعت کرتے جبکہ درحقیقت اسی اطاعت سے ان کی جان نکلتی ہے۔

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾

"انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔"

ان کا طرزِ عمل اصل میں یہی تھا کہ رسول ﷺ کی اطاعت سے ان کی جان جاتی تھی' خاص طور پر جب قربانی کا مطالبہ ہوتا تو یہ اُن پر بڑا گراں گزرتا تھا۔ مال کی محبت' اولاد کی محبت' یہ دو محبتیں ہیں جو دنیا کی محبت کے سب سے بڑے مظاہر ہیں۔ یہ دنیا سے جڑنے اور دنیا کے اندر گم ہونے کے حوالے سے سب سے زیادہ قوی محرکات ہیں۔انہی کی وجہ سے دین کے عملی تقاضوں سے گریز ہو رہا تھا۔شروع میں بہانے تراشے گئے۔ اگرچہ آنحضور ﷺ کو اصل حقیقت خوب اچھی طرح معلوم ہوتی تھی لیکن آپؐ شرافت' مروت اور رحمت کا پیکر تھے' اس لیے اجازت دے دیتے۔ ایک دو دفعہ یہ روش اختیار کرنے کے بعد منافقین کی جانب سے اپنی گفتگو میں وزن پیدا کرنے کے لیے جھوٹی قسم کا اضافہ کیا گیا۔ یہ اصل میں ایک روش ہے جس کا آغاز ہوا تھا۔ دین کے عملی تقاضوں سے گریز' رسول ﷺ کی اطاعت سے گریز' اور اس کا اصل سبب دنیا کی محبت' مال اور اولاد کی محبت' بیویوں کی محبت! غزوہ تبوک کے موقع پر جب تمام مسلمانوں کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم ہوا تو منافقین اپنے حلقے میں کہتے تھے کہ اتنی شدید گرمی میں مت نکلنا' سخت ترین گرمی میں اتنا لمبا سفر کرنے کے بجائے آرام سے گھر میں بیٹھو۔ چنانچہ بہانے بنائے جا رہے ہیں اور ان میں وزن پیدا کرنے کے لیے جھوٹی قسموں کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ جب کوئی شخص قسم کھا لے تو پھر اس سے کیا بحث کی جا سکتی ہے!

﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾

"اور ان کے ذریعے سے (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں"

اللہ کا راستہ کون سا ہے؟ وہی دین کے عملی تقاضے! دین کے صحیح راستے سے انہوں نے انحراف کی روش اختیار کی۔ جھوٹی قسموں کے بعد ایک سٹیج اور آتی ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ دین کے راستے میں قربانیاں دے رہے ہیں' جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہیں' دنیا کو ایک طرف ڈال کر آخرت کو اپنا مطلوب قرار دے چکے ہیں' وہ انہیں بڑے کھلتے ہیں۔ان کی

پریس ریلیز

حکومت حقوق نسواں کے نام پر قرآن وسنت کی تعلیمات سے بغاوت کر رہی ہے

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ

تنظیم اسلامی لاہور کے رفقاء نے پریس کلب لاہور کے باہر حدود آرڈیننس کے حکومتی بل اور ملک میں جاری سودی نظام کے خلاف پُرامن احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اس موقع پر حلقہ لاہور کے امیر ڈاکٹر غلام مرتضیٰ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت حقوق نسواں کے نام پر قرآن وسنت کی تعلیمات سے بغاوت کر رہی ہے۔ وہ روشن خیالی کی جدید لہر کے تحت اور مغربی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ملک کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتی ہے۔انہوں نے کہا کہ جس انداز سے حساس دینی مسئلے کو زیر بحث لایا گیا اس کے پیچھے گہری سازش کارفرما ہے۔ اگر حکومت واقعی اس مسئلے کا موثر حل چاہتی ہے تو اسے ووٹوں کی کثرت دکھا کر قانون سازی کرنے کی بجائے ماہرین اور اسلامک سکالرز پر مشتمل ایک کمیشن قائم کرنا چاہیے۔ انہوں نے اس موقع پر ملک میں جاری سودی نظام کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ اسلامی انقلاب لائے بغیر سودی نظام کا خاتمہ ممکن نہیں۔ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ کاری کو فروغ دینا چاہتا ہے جبکہ سودی معیشت سرمایہ داری کو تحفظ دے کر لوگوں کو سرمایہ پرست بنا رہی ہے۔ پاکستان اسلامک سوشل جسٹس کے قیام کے لیے بنایا گیا تھا جبکہ ہم اسلامی اقدار کو پامال کر کے اسلام کو بدنام کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔انہوں نے کہا کہ لکھ پتی اور کروڑ پتی بنانے والی تمام سکیمیں غیر شرعی ہیں جو ایک انسان کو دوسرے انسان کا حق غصب کرنے کا راستہ دکھاتی ہیں۔انہوں نے کہا کہ سود کی حرمت اور شناعت کے ضمن میں دو آراء نہیں ہو سکتیں۔ ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات سے باغی سودی نظام کا خاتمہ کر کے اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے نفاذ کے لیے عملی اقدامات اٹھانے چاہئیں۔

تنظیم اسلامی لاہور کے رہنما تجمل حسین میر نے کہا کہ موجودہ معاشی نظام سود' جوا' سٹہ اور قرضوں کی مصنوعی خوشحالی پر مبنی ہے۔ یہ معاشی نظام سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو تحفظ دیتا ہے۔ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جس کی سپریم کورٹ نے 2000ء میں بینک انٹرسٹ کو سود قرار دیا لیکن ہم اپنی نااہلی کے سبب ملک سے اس کا خاتمہ نہیں کر سکے۔انہوں نے کہا کہ ملک کے معاشی نظام کو صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق بنانے کے لیے اسلامی انقلاب ناگزیر ہے۔ اس موقع پر تنظیم اسلامی کے سینکڑوں رفقاء نے بینرز اور پلے کارڈز اُٹھا رکھے تھے جن پر حدود آرڈیننس بل اور سودی نظام کے خلاف عبارات درج تھیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت' تنظیم اسلامی' پاکستان)

وجہ سے منافقین کا بیٹھ رہنا نمایاں ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اصل میں سارا معاملہ ان لوگوں کا بگاڑا ہوا ہے جو آگے بڑھ بڑھ کر نبی ﷺ کی ہر بات پر لبیک کہتے ہیں اور ان کے ایک اشارے پر اپنی گردن کٹانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اب ان سے دل ہی دل میں دشمنی ہو جاتی ہے۔ ان کے خلاف رائے زنی ہوتی ہے۔ انہیں بے وقوف' انتہا پرست' دیوانہ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بات اُس وقت کی ہو رہی ہے' لیکن آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ دیوانہ کون ہے؟ عقل مند کون ہے؟ عقل کا معیار کیا ہے؟ آج بھی عقل کا معیار یہی ہے کہ اپنے آپ کو بچا کر رکھو۔ اپنا کچھ بال بیکا نہ ہو' چاہے اس کے لیے دین کو بدل ڈالو۔

﴿ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

''کچھ شک نہیں کہ جو کام یہ کرتے ہیں' بہت ہی برے ہیں۔''

لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنی کامیابی پر دل میں بڑے خوش ہو رہے ہیں۔ یہ معاملہ یہود اور منافقین دونوں کا تھا۔ دیکھو ہم نے کتنے آرام سے چکما دے دیا' فلاں بہانہ کر کے بچ گئے جبکہ مسلمان اس وقت شدید گرمی میں تبوک کا سفر کر رہے ہوں گے۔ ان کی یہ کیفیات تھیں لیکن قرآن کہہ رہا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں' بہت ہی بری حرکت ہے۔

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جو (پہلے تو) ایمان لائے' پھر انہوں نے کفر کیا۔''

اب یہاں ان کی اصل حقیقت کو کھولا جا رہا ہے۔ اس کفر کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے' اور سب مانتے ہیں کہ زبان سے کبھی انہوں نے کفر نہیں کیا۔ چنانچہ ان کی تکفیر نہیں ہو سکتی۔ منافق آخری وقت تک مسلمانوں کی صف میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی جس کے نفاق میں کسی کو شک نہیں تھا' چونکہ زبان سے کلمہ پڑھ رہا تھا اس لیے اسے کفار میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا کفر باطنی تھا' حقیقت کے اعتبار سے وہ کافر ہو چکا تھا۔ منافقین قلبی طور پر ایمان سے محروم ہوتے ہیں' اگرچہ زبان سے وہ کبھی نہیں کہتے کہ ہم نے کفر کیا۔

آج بھی یہود و نصاریٰ کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے والے مسلم سکالرز' دانشور یہی کر رہے ہیں۔ وہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم حدیث کو مانتے ہیں' سنت کو مانتے ہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے نہ وہ حدیث کو مانتے ہیں نہ سنت کو۔ متفق علیہ حدیث کے معاملے میں بھی وہ اپنی عقل استعمال کریں گے کہ ہمارے خیال میں یہ حدیث ''کامن سینس'' کے خلاف ہے' چنانچہ ہم نہیں مانتے۔ ہمارے خیال میں فلاں حدیث قرآن کے فلاں حکم سے ٹکرا رہی ہے۔ گویا آپ کا خیال ہی حق و باطل میں تمیز کرنے والی آخری اور فیصلہ کن شے ہو گئی! یہ اتھارٹی کس نے دے دی ہے آپ کو؟ وہ زبان سے نہیں کہیں گے کہ ہم حدیث کے منکر ہیں' لیکن حقیقتاً منکر ہیں۔ آیت کے اس حصے میں بھی باطنی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ جب ایمان کے عملی تقاضے سامنے آئے' قربانی دینے کا مرحلہ آیا تو اب قدم پیچھے ہٹنے لگے۔ حقیقت کے اعتبار سے یہ ارتداد ہے' پسپائی ہے۔ یہ نفاق کے مرض کا نقطۂ آغاز ہے۔

﴿ فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾

''تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی''

اپنے ضمیر کی ملامت کو مسلسل دو تین مرتبہ نظر انداز کرنے کے بعد جب یہ سٹیج آتی ہے کہ انسان ڈھٹائی کے ساتھ اسی غلط راستے پر چلتا جاتا ہے تو پھر اللہ مہر کر دیتا ہے کہ اب واپسی کا راستہ بند۔ توبہ کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔

جب ایمان کے عملی تقاضے سامنے آئے' قربانی دینے کا مرحلہ آیا تو اب قدم پیچھے ہٹنے لگے۔ حقیقت کے اعتبار سے یہ ارتداد ہے' پسپائی ہے۔ یہ نفاق کے مرض کا نقطۂ آغاز ہے

جب نبی اکرم ﷺ مکہ میں دعوت دے رہے تھے تو تقریباً سب لوگوں کا حال یہ تھا کہ دل گواہی دیتا تھا کہ واقعی یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ لیکن مفادات' چودھراہٹ اور دنیا کی محبت آڑے آ رہی ہے۔ دوبارہ وہ آواز سنائی دیتی تو اندر سے اُبھرنے والی گواہی کو دبا دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر بات کان تک آتی ہے' گواہی اُبھرتی ہے لیکن دبا دی جاتی ہے۔ یہ گواہی کا اندر دبانا اور ایمان کا اعتراف نہ کرنا' اس کی پاداش میں ایک وقت آتا ہے کہ کفار سے توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ مہر کر دی جاتی ہے کہ اب یہ واپس نہیں آ سکتے۔ اس طرزِ عمل میں یہ سب سے بڑی سزا ہے جو دنیا میں ملتی ہے۔

﴿ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴾

''سو اب یہ سمجھتے ہی نہیں''

اب کوئی شے ان پر موثر نہیں ہو گی۔ یہ فیصلہ اللہ کا ہے۔

﴿ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ﴾

''(اے نبی ﷺ!) جب آپ ان (کے تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہیں تو ان کے تن و توش آپ کو بھلے لگتے ہیں۔''

یہ بڑے معتبر لوگ ہیں' ڈیل ڈول والے ہیں' جسیم ہیں۔ ان کو دیکھ کر انسان ان کی شخصیت سے متاثر ہوتا ہے۔

﴿ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ﴾

''اور جب وہ بات کرتے ہیں تو آپ کان لگا کر سنتے ہیں ان کی بات''

نفاق زیادہ تر ان لوگوں میں آتا ہے جن کے دنیاوی مفادات زیادہ ہوتے ہیں۔ جو اپنے علاقے کے چودھری ہیں' بڑے سرمایہ دار ہیں۔ عوام ان کی بات توجہ سے سنتے ہیں کہ یہ بہت بڑا شخص ہے۔ اس کے قول پر دھیان دیا جاتا ہے۔ ظاہراً تو یہ کیفیت ہے جبکہ حقیقت میں:

﴿ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ﴾

''ایسے ہیں جیسے خشک لکڑیاں جنہیں سہارا دے کر کھڑا کیا گیا ہو۔''

ان کی معنوی شخصیت اتنی کمزور اور بودی ہے۔ ان کے پاس کوئی moral strength نہیں ہے۔ قول و فعل کا تضاد انسان کو اندرونی طور پر کمزور کر دیتا ہے اور اسے بزدل بنا دیتا ہے۔

﴿ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ﴾

''(بزدل ایسے کہ) ہر زور کی آواز کو سمجھیں اپنے اوپر''

یعنی خطرے کا کوئی الارم بجا' کہیں کوئی کھٹکا ہوا تو سمجھتے ہیں کہ آفت ہمارے اوپر ہی آئی ہے۔ اسی وقت خون خشک ہونے لگتا ہے' کیونکہ اپنے دنیاوی مفادات انہیں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ ہر وقت جان پر بنی رہتی ہے۔

﴿ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ﴾

''اے نبی ﷺ! اصل دشمن یہی ہیں' ان سے محتاط رہیں۔''

آپ ان کو پہچان لیجیے۔ اصل دشمن' آستین کے سانپ یہی ہیں اس لیے کہ یہ نفاق کی آخری سٹیج میں داخل ہو گئے ہیں۔ سب سے پہلے تو دینی تقاضوں سے گریز اور اس کے لیے جھوٹے بہانے تراشنا' اس کے بعد جھوٹے بہانوں میں وزن پیدا کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا۔ اس سے اگلا مرحلہ یہ ہے کہ جو مسلمان قربانیاں دے رہے ہیں اور جہاد و قتال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں' ان کے خلاف بغض اور نفرت کا پیدا ہونا کہ خواہ مخواہ ان لوگوں کی وجہ سے ہمارا بیٹھے رہنا نمایاں ہوتا ہے۔ اب مسلمانوں اور اسلام کے خلاف عداوت پیدا ہونی شروع ہوئی۔ یہ کیفیت وہ ہے کہ جب مہر کر دی جاتی ہے اور واپسی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

﴿ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾

''اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔''

انہیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی تھی' نبی ﷺ کی صحبت میسر آئی لیکن اب کس انجام بد کو پہنچے کہ اللہ نے ان پر مہر کر دی۔ اب پلٹ کر نہیں آ سکتے۔ اب ان کی توبہ بھی قبول نہیں ہے۔ یہ ہولناک انجام ہے منافقین کا!

(ملخص: محمد خلیق)

✿ ✿ ✿

اجتہاد...... اعتدال کی راہ کیا ہے؟

مولانا زاہد الراشدی

"اجتہاد" موجودہ دور میں زیر بحث آنے والے اہم عنوانات میں سے ایک ہے اور یہ دین کی تعبیر کے حوالے سے قدیم و جدید حلقوں کے درمیان کشمکش کی ایک وسیع جولانگاہ ہے۔ اس پر دونوں طرف سے بہت کچھ لکھا گیا ہے' لکھا جا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا اور جب تک قدیم و جدید کی بحث جاری رہے گی' یہ موضوع بھی تازہ رہے گا۔

اجتہاد کے حوالے سے اس وقت عام طور پر دو نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ دین کے معاملات میں جتنا اجتہاد ضروری تھا وہ ہو چکا ہے' اب اس کی ضرورت نہیں ہے' اس کا دروازہ کھولنے سے دین کے احکام و مسائل کے حوالے سے پنڈورا بکس کھل جائے گا اور اسلامی احکام و قوانین کا وہ ڈھانچہ جو چودہ سو سال سے اجتماعی طور پر چلا آ رہا ہے سبوتاژ ہو کر رہ جائے گا۔ اس لیے اجتہاد کا نام نہ لیا جائے' اس کی بات کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اجتہاد کے عنوان سے کوئی بات نہ سنی جائے۔ اس طرح ایک حلقے میں اجتہاد کا لفظ دین کے مسائل میں الحاد اور بے راہ روی کا مترادف سمجھا جانے لگا ہے' جبکہ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اجتہاد آج کے دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے' دین کے پورے ڈھانچے کو اس عمل سے دوبارہ گزارنا وقت کا تقاضہ ہے' ہر مسئلہ میں اور ہر سطح پر اجتہاد ہونا چاہیے' اور اجتہاد کے نام پر دین کے پورے ڈھانچے کی "اوور ہالنگ" کر کے اسلام کو نئے انداز میں پیش کیا جانا چاہیے اور خاص طور پر جدید مسائل و مشکلات اور عالمی ماحول کے معاشرتی تقاضوں کا اجتہاد کی روشنی میں حل نکالا جانا چاہیے تاکہ جدید عالمی فکر اور اسلام میں ہم آہنگی پیدا کی جا سکے۔

یہ دونوں نقطۂ نظر اپنی پشت پر ایک سوچ رکھتے ہیں اور پس منظر رکھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی اپنی جگہ مضبوطی سے کھڑے ہیں اور اپنے دائرہ فکر سے ہٹ کر کوئی بات سننے کے روادار نہیں ہیں۔ پہلے نقطۂ نظر کی بنیاد "تحفظات" پر ہے کہ اسلام کے خلاف مغربی دنیا کی صدیوں سے جاری علمی و فکری جنگ کے ایجنڈے اور مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی صورت سے محروم کر کے برائے نام مسلمان بنایا جائے اور اس طرح اسلام کے ایک فلسفۂ حیات اور طرز زندگی کے طور پر دوبارہ ابھرنے کے امکانات کو روکا جائے' اس لیے تبدیلی اور تغیر کی کوئی بات اس ماحول میں قبول نہ کی جائے اور ایسی ہر کوشش کو مغرب کی معاونت سمجھ کر رد کر دیا جائے۔ دوسرے نقطۂ نظر کی بنیاد "اقدام" کی سوچ پر ہے کہ اگر اسلام کو تحفظات کے دائرہ سے نکل کر آج کے عالمی ماحول میں آگے بڑھنا ہے اور دنیا کی دوسری اقوام کے سامنے اسے پیش کرنا ہے تو آج کی عالمی مارکیٹ کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس کی "اوور ہالنگ" ضروری ہے۔ اسے آج کی اصطلاحات اور علمی معیار کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے ورنہ ہم موجودہ دور میں کسی بھی شعبہ میں اسلام کی پیش رفت کی راہ ہموار نہیں کر سکیں گے۔

اجتہاد کے صحیح مفہوم سے عوام کو متعارف کرایا جائے' اس کی ضرورت کو تسلیم کیا جائے' اس کی جائز اور قابل عمل صورتوں کی وضاحت کی جائے

مگر ہمارے نزدیک یہ دونوں نقطۂ نظر انتہا پسندانہ ہیں' دونوں فریقوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے موقف اور نقطۂ نظر کا ازسرنو جائزہ لیں اور تحفظات اور اقدامات کے دونوں پہلوؤں کا لحاظ کرتے ہوئے اعتدال اور توازن کا موقف اختیار کریں جو اس معاملہ میں آج عالم اسلام کی سب سے اہم ضرورت ہے اور جس کا فقدان بہت سے معاملات میں مسلمانوں کی پیش رفت کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

اس مسئلہ کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا جانا چاہیے ہم اس کے صرف ایک پہلو پر کچھ عرض کرنا چاہ رہے ہیں کہ ہمارے ہاں یہ سوچ پائی جاتی ہے کہ اجتہاد ماضی قدیم کے اہل علم کا کام تھا اور اب اس کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس لیے اس عنوان سے کسی تگ و دو کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اجتہاد کے اصول و ضوابط کے تعین کی حد تک تو ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ جہاں تک اجتہاد کے اصول و ضوابط' طریق کار اور اہلیت و صلاحیت کے تعین کی بات ہے یہ کام قرون اولیٰ میں ہو چکا ہے اور تابعین و تبع تابعین کے دور میں بیسیوں فقہائے کرام نے اجتہاد کے اصول طے کیے جن میں سے چار' پانچ یا چھ بزرگوں کے طے کردہ اصولوں کو امت میں قبول عام حاصل ہوا اور وہ اب تک مسلمہ چلے آ رہے ہیں۔ ان اصولوں پر نظر ثانی یا ان میں کسی نئے فقہی مکتب فکر کے اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ یہ اس لیے بند نہیں کہ کسی نے اس کے بند ہونے کا اعلان کیا ہے یا کسی اتھارٹی نے آئندہ کے لیے اس اجتہاد کی ممانعت کر دی ہے بلکہ اس اجتہاد کا دروازہ اس لیے بند ہے کہ اصولوں کے تعین اور طریق کار کی حدود طے ہو جانے کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی جیسا کہ ہر علم اور فن میں اس کے بنیادی اصول طے ہونے کا ایک دور ہوتا ہے اور یہ کام ایک بار مکمل ہو جانے کے بعد اس کا دروازہ خود بخود بند ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس علم اور فن میں مزید پیش رفت ہمیشہ کے لیے ان بنیادی اصولوں کے دائرہ میں محصور ہو جاتی ہے۔

مگر یہ اجتہاد کا نظری اور علمی پہلو ہے جبکہ عملی حوالے سے ان اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کا دروازہ کسی بھی فقہی مکتب فکر میں کبھی بند نہیں رہا' نہ آج بند ہے اور نہ کبھی آئندہ بند ہو گا۔ ہمیں اس فرق کو ملحوظ رکھنا ہو گا کہ اجتہاد کے اصول و ضوابط طے کرنے کا معاملہ الگ ہے اور ان کی روشنی میں "عملی اجتہاد" کا دائرہ اس سے بالکل مختلف ہے' ہم ان دونوں کو ایک زمرہ میں شمار نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ دونوں کبھی ایک ہی زمرہ میں شمار رہے ہیں۔

فقہی مسائل و احکام میں عرف و تعامل کا بہت زیادہ دخل ہے اور کسی بھی مسئلہ میں علت' عرف اور تعامل کی تبدیلی سے فقہائے کرام ہر دور میں احکام میں رد و بدل کرتے رہے ہیں جو ظاہر ہے کہ اجتہاد کا عمل ہے۔ اسی طرح جدید پیش آمدہ مسائل کا حل ہر دور میں اجتہاد کے اصولوں کی روشنی میں تلاش کیا جاتا رہا ہے اور پیش کیا جاتا رہا ہے اور یہ بھی اجتہاد کے عمل ہی کا حصہ ہے۔

ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ فقہ حنفی اور دوسری فقہوں کے ارتقاء کا جائزہ لیں تو ہر دور کے فقہا کے فیصلوں اور فتاویٰ میں آپ کو بہت فرق نظر آئے گا اور اس فرق کے پیچھے جواز صرف یہی ہو گا کہ یہ اجتہاد کا عمل ہے جو مسلسل جاری ہے اور امت کی ضرورت ہے۔ میں اس سلسلہ میں چند عملی اجتہادات کا حوالہ دینا چاہوں گا جو ہم نے بدلتے ہوئے حالات کے تحت ماضی قریب میں کیے

ہیں' ان میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل بھی شامل ہے اور عرف وتعامل کے تغیر کے ساتھ ماضی کے فقہی فیصلوں اور فتاویٰ کو تبدیل کرنے کا عمل اس کا حصہ ہے۔

احناف کے ہاں جمعہ کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ حاکم وقت یا اس کا کوئی نمائندہ شخص جمعہ کا خطبہ دے مگر جب پاکستان' بنگلہ دیش اور بھارت و برما پر مشتمل خطے پر مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوا اور انگریزوں نے قبضہ کر لیا تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر علمائے کرام کے فتاویٰ سے یہ خطہ دارالحرب قرار پایا جس پر یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ امیر یا اس کے نمائندہ کی موجودگی کے بغیر جمعہ ادا کرنے کی شرعی صورت مذکورہ بالا شرط کی روشنی میں کیا ہو گی؟ اور کیا اس شرط کی وجہ سے جمعہ کا خطبہ اور جمعہ کی نماز کی ادائیگی موقوف کر دی جائے گی؟

اس پر ہمارے فقہا نے یہ اجتہادی فیصلہ کیا کہ اس صورت میں مسلمانوں کی رضامندی کو امیر یا اس کے نمائندے کا قائم مقام قرار دے کر جمعہ کی ادائیگی کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور اس شرط کو موقوف کر دیا جائے۔ اس پر کافی بحث ہوئی اور مختلف حلقوں نے تحفظات کا اظہار کیا' حتیٰ کہ اب بھی بہت سے لوگ انہی تحفظات کے حوالے سے جمعہ کی نماز پڑھنے کے ساتھ ''ظہر احتیاطی'' بھی پڑھتے ہیں۔

قادیانیوں کے بارے میں ہمارے ہاں علمی حلقوں میں یہ بحث چلتی رہی ہے کہ ان کا شمار مرتدین میں ہو گا یا کسی اور زمرہ میں شامل کیے جائیں گے' اسی طرح یہ بحث بھی ہوئی کہ اسلامی ریاست قائم ہونے کی صورت میں قادیانیوں کے ساتھ کیا معاملہ روا رکھا جائے گا؟ ہمارا قدیمی موقف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے حوالے سے یہ ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ کا اس پر مستقل رسالہ ''الشہاب'' کے نام سے موجود ہے۔ جس میں انہوں نے قادیانیوں ہی کے پس منظر میں مرتد کی اس شرعی سزا پر بحث کی ہے اور اسے قرآن وسنت کی روشنی میں ثابت کیا ہے لیکن پاکستان قائم ہو جانے کے بعد اس مسئلہ کا ''عملی حل'' تلاش کرنے کا مرحلہ آیا تو تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام اس کے اس اجتہادی حل پر متفق ہو گئے اور اب تک متفق چلے آ رہے ہیں کہ قادیانیوں کو ایک اسلامی ریاست میں دوسرے ذمیوں کی طرح ایک ''غیر مسلم اقلیت'' کے طور پر قبول کر لیا جائے اور اس طرح انہیں جان و مال کا تحفظ دیا جائے۔ یہ علامہ اقبال کی تجویز تھی جسے تمام مکاتب فکر کے اکابر علمائے کرام نے قادیانیوں کے مسئلہ کے قابل عمل حل کے طور پر قبول کر لیا جو ظاہر ہے کہ ایک اجتہادی فیصلہ ہے۔

اس طرح کے بہت سے اجتہادات کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے جو ہمارے ماضی قریب اور حال کے علمائے کرام نے کیے اور انہیں امت میں قبول کر درجہ حاصل ہوا' اس لیے یہ کہنا کہ اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے یا اجتہاد کے حوالہ سے اب کوئی بات نہیں ہونی چاہیے درست طرز عمل نہیں ہے کہ جو لوگ ''اجتہاد'' کو بظاہر غلط مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں یا اجتہاد کے نام پر الحاد اور تحریف کا راستہ ہموار کرنے کے درپے ہیں ان کا جواب یہ نہیں ہے کہ سرے سے اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت سے انکار کر دیا جائے بلکہ ان کا صحیح جواب یہ ہے کہ اجتہاد کے صحیح مفہوم سے عوام کو متعارف کرایا جائے' اس کی ضرورت کو تسلیم کیا جائے' اس کی جائز اور قابل عمل صورتوں کی وضاحت کی جائے اور بادی النظر میں اجتہاد یا اس پر گفتگو کا فورم ایسے لوگوں کے لیے کھلا نہ چھوڑ دیا جائے اور اگر آپ ایسے کسی بھی فورم کو صرف ان کے لیے خالی کر دیں گے اور اپنی بات کہنے کے لیے کوئی عملی راستہ نہیں نکالیں گے تو یہ میرے نزدیک مسائل اور مشکلات سے فرار کی راہ ہو گی جو کسی بھی طرح صحیح اور معتدل راستہ نہیں ہے۔ (بشکریہ روزنامہ ''اسلام'')

کتاب ''تقدیرِ اُمم'' کے بارے میں چند تاثرات

از: حافظ عاکف سعید' ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی' لاہور

نام کتاب: **تقدیر امم**

تالیف وتدوین: منصور علی خان — مترجم: ڈاکٹر خالد محمود ترمذی

صفحات: 320 — قیمت: 240 روپے

ڈسٹری بیوٹر: ادارۂ اسلامیات' 90 انارکلی لاہور / موہن روڈ' اُردو بازار کراچی

زیر نظر کتاب ملت کے غم میں سر تا پا ڈوبے ہوئے ایسے دردمند مسلمان کے سچے جذبات کی ترجمان ہے جو نہ صرف دین اسلام کا ایک بھرپور اور واضح شعور رکھتا ہے بلکہ دور حاضر کی مشکلات اور چیلنجوں سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ اس چبھتے ہوئے سوال کا اطمینان بخش جواب موجود ہے جو کہ قرآن وسنت کے محکمات پر مبنی ہے کہ آج امت اس قدر پستی اور زوال سے کیونکر دوچار ہے بلکہ اس اہم مسئلے پر بھی کہ دور حاضر میں زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں میں اسلام کی تعلیمات کی وہ عملی صورت کیا ہو گی کہ جس میں اسلامی نظام اپنے تمام تر ثمرات و برکات کے ساتھ جلوہ گر ہو سکے، صاحب کتاب نے سیر حاصر گفتگو کی ہے اور تمام ممکنہ گوشوں کا عمدگی سے احاطہ کیا ہے، جو بلاشبہ فاضل مصنف کے وسعت مطالعہ، دِقّتِ نظر اور مشاہدہ کی گہرائی کا ایک بین ثبوت ہے۔ تاہم ایک پہلو سے قدرے تشنگی کا احساس ہوتا ہے کہ وہ آئیڈیل اسلامی معاشرہ جو ہر سطح پر عدل وانصاف، امن وامان اور توازن واعتدال کا ضامن اور اعلیٰ اخلاقی وروحانی اقدار کا مرقع ہو، کس طور سے وجود میں آئے گا۔ بالفاظ دیگر ایک بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے کو جو دینی واخلاقی لحاظ سے پستی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہو، کس کیمیا گری کے ذریعے جڑ بنیاد سے بدل کر ایک صالح اور صحت منداسلامی معاشرے کے قالب میں ڈھالا جا سکے گا۔ اس اہم مسئلے پر واضح رہنمائی بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ امید ہے فاضل مصنف اس مسئلے پر بھی آئندہ کسی تحریر میں قرآن وسنت کی رہنمائی کو اجاگر کریں گے۔

مجموعی طور پر زیر نظر کتاب ایک مسلمان کے ذہن وقلب میں دینی شعور کو اجاگر کرنے، ملت کے درد کا احساس جگانے اور ایک سچے اسلامی معاشرے کی ضرورت کا احساس بیدار کرنے میں نہایت مفید اور مؤثر کاوش کا درجہ رکھتی ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب آج ہر مسلمان گھرانے کی اہم ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب کے فاضل مصنف کو اجر عظیم سے نوازے جنہوں نے اپنا سوزِ دروں اس کتاب کے اوراق میں انڈیل دیا ہے۔ (اٰمین یا رب العالمین)

سلطان نورالدین زنگی کا آخری معرکہ

جب مصر کے فاطمی خلیفہ العاضد کا خط سلطان نورالدین زنگی کے پاس پہنچا تو ظاہر ہے کہ سلطان بہت متاثر اور متشوش ہوا۔ اُس وقت شیر کوہ حمص شہر میں تھا۔ سلطان نے اُسے فوراً طلب کیا۔ شیر کوہ سلطان کے پاس حلب پہنچا۔ سلطان نے حکم دیا کہ فی الفور تیاری کر کے لشکر کے ساتھ مصر روانہ ہو جائے اور جس طرح بھی ہو سکے یروشلم کے بادشاہ اموری سے مصر کو بچائے۔

شیر کوہ اور پندرہ ربیع الاول 1168/564ء کو حلب سے روانہ ہوا اور برق رفتاری سے منزل پہ منزل مارتا ہوا مصر میں داخل ہوا۔ اموری کو خبر پہنچی کہ شیر کوہ اور اس کا بھتیجا صلاح الدین ایوبی پھر مصر کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں اور اس مرتبہ اُن کے پاس پہلے کی نسبت لشکر بھی بڑا ہے' تو اُس پر خوف طاری ہو گیا اور وہ قاہرہ کا محاصرہ اٹھا کر یروشلم کی طرف بھاگ گیا۔

شیر کوہ اور صلاح الدین مصر پہنچے تو شاور وزیر نے دونوں کا شاندار استقبال کیا۔ شاور نے شیر کوہ کو مشورہ دیا کہ وہ اموری کا تعاقب کرتے ہوئے بیت المقدس فتح کرے۔ شیر کوہ اُس کے مشورے کا مطلب سمجھ گیا کہ اس بہانے سے شاور اُس کو قاہرہ سے دُور ہٹانا چاہتا ہے۔ اُس نے شاور کا مشورہ رد کر دیا اور اپنے لشکر کے ساتھ قاہرہ میں مقیم ہو گیا۔

شیر کوہ کے قاہرہ میں داخل ہونے سے مصر میں امن و امان قائم ہو گیا۔ وہاں کے باشندوں کے چہروں پر رونق آ گئی۔ مصر کے خلیفہ العاضد سے شیر کوہ ملنے گیا تو خلیفہ نے بڑی محبت اور بڑے اخلاق کے ساتھ اُس کا استقبال کیا۔ اس ملاقات کے دوران خلیفہ نے مصر کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار اپنے وزیر شاور کو قرار دیا اور کہا کہ جب تک شاور کو قتل نہیں کیا جائے گا' مصر ان مصائب و مشکلات میں مبتلا رہے گا۔

شاور کو اس امر سے سخت تشویش لاحق تھی کہ خلیفہ نے شیر کوہ سے ملنا جلنا شروع کر دیا ہے اور دونوں کے تعلقات روز بروز گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ اُس نے محسوس کر لیا کہ ضرور اُس کے خلاف کارروائی ہونے والی ہے۔ لہٰذا اُس نے اپنی بدنیتی سے چند قریبی ساتھیوں کو ساتھ ملا کر ایک سازش تیار کی۔ اُس نے ارادہ کیا کہ شیر کوہ' صلاح الدین ایوبی اور اُن کے چیدہ چیدہ سالاروں کو ضیافت کے بہانے بُلوا کر گرفتار کرے اور اُن کا خاتمہ کر دے۔

شاور کے ایک قریبی ساتھی نے اُس کے بیٹے کو بھی سازش میں شریک ہونے کو کہا۔ شاور کے اس بیٹے کا نام کامل تھا۔ کامل نے اپنے باپ کے اس ارادے کی شدید مخالفت کی اور سمجھایا کہ شیر کوہ اور اُس کے سالاروں کی گرفتاری اور ہلاکت کے انتہائی خطرناک نتائج ہوں گے۔ اُن کی ہلاکت کے بعد شیر کوہ کا لشکر یقیناً انتقام پر اُتر آئے گا۔ پھر ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے گا۔ مزید یہ کہ شیر کوہ اور صلاح الدین ایوبی کے خاتمے کے بعد یروشلم کا بادشاہ اموری پھر مصر پر چڑھ دوڑے گا اور اُس کا مصر پر قبضہ جمانے کے بعد ہم اس قابل نہ ہو سکیں گے کہ مصر کو عیسائیوں کے قبضے سے نجات دلائیں۔

شاور نے اپنے بیٹے کامل کی اس تجویز کو مسترد کر دیا' اور کہا کہ شیر کوہ اموری کے مقابلے میں زیادہ بڑا خطرہ ہے۔ کامل نے کہا کہ اگر آپ اپنے ارادے سے باز نہ آئے تو میں اس سازش کی اطلاع شیر کوہ تک پہنچا دوں گا۔ اپنے بیٹے کامل کی اس دھمکی سے شاور کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور وہ اپنی اس سازش پر عمل کرنے سے فی الحال باز رہا۔ تاہم اُس کی بدفطرت اور منافقت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ انتہائی مکار' عیار اور ناقابل اعتبار

> **شیر کوہ کا سالار عزالدین پہلے ہی شاور سے بہت نفرت کرتا تھا۔ اُس نے فوراً تلوار کھینچی اور شاور کا سر کاٹ کر خلیفہ کی طرف بھجوادیا**

شخص تھا۔ ایک طرف تو وہ ہر روز شیر کوہ سے ملنے آتا اور خوشامد اور چاپلوسی کی باتیں کرتا رہتا۔ دوسری طرف اُس سے چھٹکارا پانے کی تجویزیں سوچتا رہتا۔

شیر کوہ نے دیکھ لیا تھا کہ شاور ضرور اُن کے خلاف مکر و فریب کی کوئی چال چلے گا' اس لیے اُس نے صلاح الدین ایوبی اور چند دوسرے سالاروں کو اُس کی نقل و حرکت پر نگران مقرر کر دیا تھا۔ دوسری طرف شیر کوہ سے بڑھ کر خلیفہ العاضد کو اپنے وزیر شاور کی طرف سے سخت تشویش تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد اُس کا خاتمہ کر دیا جائے' تاکہ اُس کے شر سے اہل مصر کو نجات ملے اور ملک میں امن و امان ہو۔

ایک دن شاور شیر کوہ سے ملنے کے لیے آیا۔ شیر کوہ اُس وقت اپنے خیمے میں موجود نہ تھا۔ اُس نے خیمے کے محافظ لشکری سے دریافت کیا کہ شیر کوہ کہاں ہے۔ لشکر نے بتایا کہ وہ امام شاہی کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے گیا ہے۔ چنانچہ شاور بھی امام شاہی کے مزار کی طرف چلا۔ صلاح الدین ایوبی اور ایک اور سالار عزالدین نے آپس میں کہا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ کہیں شاور شرارت نہ کرے۔ اس خیال سے انہوں بھی اپنے گھوڑے شاور کے پیچھے ڈال دیئے۔

راستے میں انہوں نے شاور کو گھوڑے سے گرا دیا اور گرفتار کر کے واپس اپنے خیمے میں لے آئے۔ شاور کے ساتھ جو مسلح باڈی گارڈ تھے وہ اِدھر اُدھر فرار ہو گئے۔

خلیفہ العاضد نے جب وزیر شاور کی گرفتاری کی خبر سنی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اُس نے فوراً شاور کا سر مانگ لیا۔ شیر کوہ امام شاہی کے مزار سے ابھی ابھی واپس آیا تھا کہ خلیفہ کا پیغام ملا۔ وہ شاور کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ خلیفہ کی طرف سے پے در پے دو قاصد پہنچے اور وہ شاور کا سر مانگنے لگے۔ شیر کوہ کا سالار عزالدین پہلے ہی شاور سے بہت نفرت کرتا تھا۔ اُس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ اُس نے فوراً تلوار کھینچی اور شاور کا سر کاٹ کر خلیفہ کی طرف بھجوا دیا۔

شیر کوہ کی وفات

شاور کے قتل کے بعد خلیفہ العاضد نے شیر کوہ کو مصر کی وزارت کی پیشکش کی جو اُس نے قبول کر لی اور اُسے ملک المنصور اور امیر الجیوش (کمانڈر انچیف) کے خطاب سے سرفراز کیا۔ لیکن شیر کوہ صرف دو مہینے وزارت پر قائم رہا۔ چند ماہ کے بعد اُسے گلے کی بیماری 'خناق' لاحق ہوگئی' جس کی بناء پر وہ 23 مارچ 1169ء کو اس عالمِ فانی سے کوچ کر گیا۔ شیر کوہ کی وفات کے بعد مصر کی وزارت کے منصب پر اُس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو مقرر کیا گیا۔ ایوبی کے وزیر بننے کے بعد مصر کے کچھ لوگوں نے اشتعال اور بدامنی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کچھ سوڈانیوں نے بغاوت کر دی۔ یہ بغاوت پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ تقریباً پچاس ہزار باغیوں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہلہ بول دیا۔

لیکن صلاح الدین ایوبی ایسا آہنی ارادے کا شخص تھا کہ بدترین حالات میں بھی حوصلہ ہارنے والا نہ تھا۔ باغیوں کے مقابلے میں آیا اور انہیں منتشر کر کے مصر میں امن و امان قائم کر دیا۔ مصر کے وزیر شاور کے قتل اور شیر کوہ کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی کے مصر کا وزیر بننے کی اطلاع یروشلم کے عیسائی حاکم اموری تک پہنچی تو اُسے بڑا دُکھ ہوا۔ اموری کے علاوہ دوسرے علاقوں کے مسیحی حکمرانوں کو بھی فکر لاحق ہوئی کہ پہلے اکیلا نورالدین زنگی اُن سے سنبھالا نہ جاتا تھا' اب مصر پر بھی اُس کی حکومت ہو گئی ہے۔ چونکہ یروشلم' دمشق اور مصر کے درمیان واقع ہے' اس طرح عیسائی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس کر رہ جائیں گے۔ ان کے علاوہ یورپ کے مختلف عیسائی ممالک کے حکمرانوں کو بھی جو عرصہ دراز سے صلیبی جنگوں کے محرک بنے ہوئے تھے' فکر ہوئی کہ نورالدین زنگی پہلے ہی اُن سے کافی علاقے چھین چکا ہے' اب مصر پر صلاح الدین وزیر بن گیا ہے' جو دراصل نورالدین

زنگی کا نائب ہے' لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح مصر سے نورالدین زنگی کا رابطہ ختم کر دینا چاہیے۔

عیسائی ممالک کے حکمرانوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ اس متحدہ لشکر کی تیاری میں یروشلم کا بادشاہ اموری' قسطنطنیہ کے بادشاہ مینوئل' صقلیہ اور کچھ دیگر عیسائی حکومتوں نے حصہ لیا۔ یہ متحدہ لشکر صلاح الدین ایوبی کو مصر سے نکالنے کے لیے دمیاط کی طرف روانہ ہوا۔

صلاح الدین ایوبی کے خلاف محاصرہ

صلیبی لشکر نے آگے بڑھ کر مصر کے شہر دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ اس موقع پر صلاح الدین کے صرف مصری لشکر نے اپنا دفاع کیا۔ اُدھر شام میں جب نورالدین زنگی کو خبر ہوئی کہ مصر پر عیسائی چڑھ دوڑے ہیں' تو اُس نے صلاح الدین کی مدد کے لیے اپنی طرف سے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس طرح ایک طرف سے صلاح الدین اور دوسری طرف سے نُورالدین زنگی کا بھیجا ہوا لشکر حملہ آور ہوا۔ صلیبی لشکر تتر بتر ہو گیا اور مسلح رضا کار جہاں جہاں سے آئے تھے' وہاں واپس لوٹ گئے۔

میدانِ جنگ میں جو معمولی لباس لشکری کا ہوتا تھا' وہی سلطان بھی پہنتا تھا۔ جو ہتھیار ایک معمولی سپاہی استعمال کرتا تھا' وہی سلطان بھی استعمال کرتا تھا

انگریز مورخ لین پول لکھتا ہے کہ محاصرۂ دمیاط میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی غیبی مدد کی۔ پہلے سخت بارش ہوئی۔ صلیبیوں کی لشکر گاہ پانی میں ڈوب گئی۔ پھر سخت اور تیز ہوائیں چلیں' جن سے عیسائیوں کے خیمے اکھڑ گئے۔ اُن کا بحری بیڑا جو صقلیہ سے اُن کی مدد کے لیے آیا تھا' وہ بھی تنکوں کی طرح بکھر گیا۔ بحری بیڑے میں جو لوگ تھے' اُن کی لاشیں سمندر کے اندر تیرنے لگیں۔ وہ لکھتا ہے کہ جن شہروں کو فتح کرنے کے لیے صلیبی آئے تھے' اُن شہروں کی گلیوں میں طوفان کے پانی میں اُن کی لاشیں تیرتی نظر آتی تھیں۔

نورالدین زنگی کی رحلت

دمیاط میں صلیبیوں کو شکست دینے کے بعد مصر میں صلاح الدین ایوبی کی حالت مزید مضبوط اور مستحکم ہو گئی تھی۔ پھر جلد ہی خلیفہ العاضد کا انتقال ہو گیا۔ اُس کی وفات کے بعد مصر اب براہ راست سلطان نورالدین زنگی کی سلطنت میں شامل ہو گیا تھا اور مصر میں صلاح الدین ایوبی کی حیثیت اُس کے وائسرائے کی سی تھی۔

لیکن عالمِ اسلام کی بدقسمتی سے نورالدین زنگی کے گلے میں بھی وہی تکلیف شروع ہوئی جو شیرکوہ کے گلے میں ہوئی تھی' جو بڑھتے بڑھتے خناق کی صورت اختیار کر گئی۔ آخر سلطان نورالدین زنگی' عالمِ اسلام کا یہ عظیم سلطان 15 مئی 1174ء کو اٹھاون سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔

سلطان کی وفات کا دن دمشق میں قیامت کا دن تھا۔ اُس کے مرنے کی خبر اہلِ دمشق پر بجلی بن کر گری۔ لوگ گلیوں کوچوں' بازاروں اور شاہراہوں پر دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بہت سے لوگ غم کے باعث بے ہوش ہو گئے تھے۔ سلطان کی میت کو دمشق کے علماء نے غسل دیا۔ اُس کے لیے کفن تیار کیا گیا اور اُسی کفناک سے دمشق میں دفن کر دیا گیا۔ سلطان نورالدین زنگی کا گنبد نما مقبرہ آج بھی موجود ہے جسے ''مرقد نورالدین شہید'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سلطان نورالدین زنگی نہایت موزوں قد و قامت اور انتہائی وجیہہ شخص تھا۔ رنگ سُرخ' آنکھیں بڑی اور سیاہ تھیں۔ پیشانی کشادہ' سر بڑا اور لمبوترا تھا۔ جسم بھرا بھرا تھا۔ ڈاڑھی کے بال بہت کم تھے۔

سلطان ایک درویش صفت شخص تھا۔ وہ شاہانہ زندگی سے نفرت کرتا تھا۔ ہر قسم کے تعیشات و تکلفات سے پرہیز کرتا تھا۔ بالکل سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اُس نے پوری عُمر میں سونا' ریشم اور جواہرات استعمال نہیں کیے تھے۔ نہایت سادہ کپڑے پہنتا تھا۔ ہر شخص سے بلا تکلف ملتا تھا۔ اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے لیے کبھی اُس نے بیت المال سے ایک پائی تک نہ لی۔ اُس کی خوراک بھی انتہائی سادہ تھی۔ دسترخوان پر اُس کے لیے اکثر جَو کی روٹیاں اور کبھی گندم کی خمیری روٹیاں اور گوشت ہوتا تھا۔ سلطان ہونے کے باوجود اکثر و بیشتر تنگ دست ہی رہتا تھا' لیکن اُس نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے اخراجات کے لیے بیت المال سے رقم لے کر مرغن کھانے کھائے۔

اُس کی رہائش بھی کسی بڑے محل میں نہیں تھی' بلکہ اُس نے اپنی رہائش کے لیے چند کمرے منتخب کر رکھے تھے' جو ہر قسم کی آرائش اور تکلفات سے بالکل خالی تھے۔ نہ اُن میں قیمتی قالین تھے' نہ سونے چاندی کے ظروف' نہ ریشم اور دیباج کے پردے۔ اُس کی رہائش گاہ دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کسی سلطان کے رہنے کی جگہ ہے۔

میدانِ جنگ میں کوئی عام لشکری اور سلطان میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ جو معمولی لباس لشکری کا ہوتا تھا' وہی سلطان بھی پہنتا تھا۔ جو ہتھیار ایک معمولی سپاہی استعمال کرتا تھا' وہی سلطان بھی استعمال کرتا تھا۔ وہ سب سے اگلی صفوں میں رہ کر دشمن کے ساتھ جنگ کرتا تھا اور بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ ہمت و جرأت سے کرتا تھا۔ اُس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے مسلمانوں کے اُن بہت سارے علاقوں کو صلیبیوں کے قبضے سے واپس لیا۔

اُس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اُس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی پرورش کی تھی۔ اُس کی زبردست خواہش تھی کہ وہ مسلمانوں کے سارے علاقے اور بالخصوص بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے سے چھڑائے۔ وہ یہ ذمہ داری صلاح الدین ایوبی کے کندھے پر ڈال کر خود ہمیشہ کے لیے اِس عالم فانی سے رخصت ہوا۔

(جاری ہے)

بقیہ: اداریہ

شرعی حدود سے تجاوز کر کے سوچنے کا سوچ بھی نہیں سکتا' اس لئے کہ ہماری مسلمانی کا انحصار محکمات اور مسلمات دین پر اندھا دھند یقین ہے۔ میڈیا اُن معاملات پر پاکستانی عوام کو ''ذرا سوچئے'' کی دعوت ضرور دے جو اسلام نے کھلے چھوڑے ہیں' یا جن کے بارے میں محض اشارات دے کر تفصیلات طے کرنے کی آزادی دی ہے۔

ہم خود میڈیا کے کارپردازوں کو ''ذرا سوچئے'' کی دعوت دیتے ہیں کہ ایک نظریاتی ریاست میں اُن کے کرنے کا اصل کام کیا ہے۔ ذرا سوچئے آپ کے ڈرامے مجرموں کی اصلاح کر رہے ہیں یا اُنہیں جرائم کے نئے نئے طریقے سوجھا رہے ہیں۔ آپ کے گیت نوجوانوں کے دلوں میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کر رہے ہیں' اُنہیں استاد کا احترام اور والدین کی توقیر کی راہ دکھا رہے ہیں یا محض اُن کے جنسی اور سفلی جذبات کو مشتعل کرنے کا ذمہ آپ نے اٹھا رکھا ہے۔ ذرا سوچئے! پاکستان کو مغرب کی اندھا دھند اور بے ڈھنگی تقلید سے کیا ملا۔ آرڈیننس کی آڑ میں حدود اللہ کو ٹارگٹ کرنے والو' ذرا سوچئے! ماضی میں دین کا حلیہ بگاڑنے کی کوشش کرنے والوں کا اپنا حلیہ کتنی بُری طرح بگڑ گیا۔ ''ذرا سوچئے'' کے عنوان سے مسلمانوں کے ایمان سے کھیلنے والو! ''ذرا سوچئے'' اور خدارا کچھ تو سوچیں کہ جس نظریہ کی بنیاد پر ملک قائم ہوا اُس کے خلاف مختلف طریقوں سے میڈیا پر شور و غوغا کرنے کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ اگر دولت کی لالچ میں دین کی محکمات پر کلہاڑا چلانے کا سلسلہ چل نکلا تو اِس نظریاتی ملک کا انجام کیا ہوگا؟ اگر ہٹ دھرمی قائم رہی تو سوچنے کی مہلت ختم بھی ہو سکتی ہے۔ اِس لئے ذرا جلدی سوچئے کہ اُس راہ پر کس طرح خود بھی گامزن ہوں اور عوام کو بھی گائیڈ کریں جو راہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے متعین کی ہے۔ ذرا سوچئے آج میڈیا یقیناً بہت بڑی قوت ہے' اگر اُس کا وزن شر کے پلڑے میں پڑ جائے تو ظاہری اور وقتی طور پر وہ بھاری ہو جائے گا' لیکن اس کا انجام کیا ہوگا؟ ذرا سوچئے اور اگر دوسروں کو سوچنے کی دعوت دیتے خود سوچنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں تو تاریخ میں ہی جھانک کر دیکھ لیں کہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ذرا سوچئے!

دُعائے صحت کی اپیل

☆ حلقہ مروٹ کے رفیق ڈاکٹر رمضان کی والدہ وفات پا گئی ہیں۔

☆ حلقہ بہاولنگر کے ملتزم رفیق ملک ممتاز کے والد صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔

قارئین اور رفقاء احباب سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بغض و کینہ

رفیقۂ تنظیم

حکم ربانی:

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المائدہ:45)

''(مومن وہ ہیں جو) مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔''

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:29)

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان۔''

فرمان نبوی ﷺ:

''ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو نہ باہم حسد کرو نہ ایک دوسرے کو پیٹھ دکھاؤ' نہ آپس میں تعلق منقطع کرو اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے (کسی مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال چھوڑ دے۔'' (صحیح بخاری)

''اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد و بغض تمہاری طرف چلی آ رہی ہے۔ یہ بالکل صفایا کر دینے والی ہے اور مونڈ دینے والی ہے۔ میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے۔ بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کرتی ہے دین کا'' (جامع الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے کچھ قرابت دار ہیں۔ میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں مگر وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں' میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں' میں ان کے بارے میں بردباری سے کام لیتا ہوں جبکہ وہ جہالت کا ثبوت دیتے ہیں (اور مجھ سے بغض رکھتے ہیں)۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر واقعی ایسے ہے جیسے تم بتا رہے ہو اور جب تک تمہارا یہی حال اور کردار رہے گا' تمہارے لئے اللہ کی طرف سے مددگار مقرر رہے گا۔''

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جن لوگوں کے اندر تین بیماریاں نہ ہوں' ان میں سے جسے چاہتا ہے اللہ معاف فرما دیتا ہے۔

1۔ جس شخص کا اس حال میں انتقال ہو جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

2۔ وہ ساحر نہ ہو کہ ساحروں کے پیچھے پڑا ہے۔

3۔ اپنے مسلمان بھائی سے بغض اور کینہ دل میں نہ رکھتا ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

''چغل خوری اور کینہ دوزخ میں لے جانے والی ہیں اور یہ کہ مسلمان کے دل میں یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔''

بغض اور کینہ میں فرق:

بغض دوسرے کی بدخواہی ہے اور کینہ اس بدخواہی پر عمل کرنے کی شدید خواہش' بغض کے لئے کوئی وجہ ضروری نہیں ہوتی جبکہ کینے کا کوئی جھوٹا سچا سبب ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کو کسی سے کوئی شکایت پیدا ہو جاتی ہے مگر بھلے لوگوں کی طرح اس شکایت کا ازالہ کرنے کی بجائے وہ آدمی اسے دل میں پالتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شکایت بغض میں بدل جاتی ہے اور بغض بڑھتے بڑھتے عداوت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ عداوت کی اسی صورت کو کینہ کہتے ہیں۔

> چغل خوری اور کینہ دوزخ میں لے جانے والی ہیں اور یہ کہ مسلمان کے دل میں یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے

بغض غصے سے مماثلت رکھتا ہے اور کینہ حسد سے:

اگر کوئی سچا مسلمان کسی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بغض رکھتا ہے تو یہ ممنوع نہیں ہے بلکہ ایمان کی نشانی ہے۔ اگر کوئی شخص خیر اور بھلائی کو ظاہر کرے جبکہ دل میں اس نے شر چھپا رکھا ہو تو اس سے محبت کرنے کی وجہ سے ثواب ملے گا' اور اگر کوئی شخص ظاہر میں بُرا ہو اور باطن نیک ہو تو اس سے بغض رکھنے کی وجہ سے ثواب ملے گا۔ اس لئے کہ ہم تو ظاہر کے مکلف ہیں' باطن کا حال تو بس اللہ ہی جانتا ہے۔

حضرت ربیع بن خثیمؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ لوگوں نے دین کے مسائل میں بہت اختلاف شروع کر دیا ہے۔ اور فرقہ واریت بھی عام ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے آپس میں لعن طعن اور بغض و نفرت کی بھی کثرت ہو گئی ہے۔ اور ہر شخص یہی ظاہر کرتا ہے کہ میں تو بس اللہ کے لئے بغض رکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہو۔ ظاہر تو یہ کرتا ہو کہ میری دوستی اور دشمنی اللہ کے لئے ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ وہ اپنی خواہشات کی اتباع کر رہا ہو۔ پس مسلمان پر لازم ہے کہ وہ خیر خواہی کرے اور بغض سے آپ کو بچا کر رکھے کیونکہ عام طور پر انسان یونہی بغض میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ اپنے دل میں دوسروں کے لئے پائے جانے والے بغض اور نفرت کے بارے میں درست فیصلہ نہیں کر پاتا وہ یہی سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور میری محبت اور نفرت محض اللہ کی رضا کے لئے ہے اور دوسرا غلطی پر ہے۔ اور اس سے نفرت کرنا میرے لئے جائز ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا وہ سراسر خطا پر ہوتا ہے اور اس کا دوسروں سے بغض رکھنا محض شیطان اور نفس کے بہکاوے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بغض ان بیماریوں میں سے ہے جو یہود میں پائی جاتی تھیں' وہ اسلام' مسلمانوں اور پیغمبر اسلام سے بغض رکھتے تھے اور وہ بھی یہی ظاہر کرتے تھے کہ مسلمان باطل پر ہیں۔ اس لیے ان سے بغض رکھنا ہم پر واجب ہے۔

مختصر یہ کہ بغض انتہائی مضر باطنی بیماری ہے۔ اس بیماری سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے جسے یہ بیماری لاحق ہو جائے' اس کا دل اندھا ہو جاتا ہے اور عبادت کا نور اس سے سلب ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے انسانوں کے درمیان رہنا محال ہوتا ہے۔ وہ الگ تھلگ زندگی گزارتا ہے۔ بغض کی وجہ سے اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے اور جماعت کے افراد کے درمیان انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔

بغض اور کینے کا علاج:

جس شخص سے بغض اور کینہ ہو اس کے لئے کثرت سے دعا و استغفار کرنا اور اس شخص کی تعریف و توصیف کرنا۔ یہاں تک کہ یہ داعیہ کمزور یا ختم ہو جائے۔

بغض و کینہ کے علاج میں ہمت و مجاہدے سے کام لینا چاہیے اور علاج کی کامیابی کی صورت میں مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ بلکہ اس وقت بھی ہوشیار رہنا چاہیے کہ کہیں دوبارہ اس میں مبتلا ہونے کی نوبت نہ آ جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ بندگی کا بہت بڑا حصہ بلکہ بندگی کی سوچ طبیعت کی سلامتی کا نام ہے' طبیعت اگر دین اور فضائل دین سے مطابقت نہیں رکھتی تو ہر چیز بے فائدہ ہے' خواہ بڑا علم ہو یا بڑا عمل۔

ایک مسجد کا سوال ہے!

حسن نثار

گنبد کا تو عرب کے ساتھ تعلق ہی کوئی نہیں۔

بلند و بالا عالی شان عمارات کو حضورﷺ نے ویسے ہی ناپسند فرمایا سو یہ ایک چھوٹی سی کچی عمارت تھی۔ چند فٹ کی اونچائی پر ہموار چھت تھی جس میں کھجور کے تنے استعمال کیے گئے تھے۔ یہ مسلمانوں کا کمیونٹی سنٹر تھا جس میں وفود بھی ٹھہرتے، کبھی بطور جیل بھی استعمال ہوئی، مذاکرات بھی یہیں ہوتے، مختلف قسم کی حکمت عملیاں بھی یہیں طے کی جاتیں، آپس کے شکوے گلے، دکھ سکھ بھی یہیں ہوتے یہی غرفتہ النوم بھی تھی اور دارالضیافہ بھی...... یہیں مسلمان سجدہ ریز بھی ہوتے۔

مسلمان اس چھوٹی سی عمارت...... اس پہلی مسجد سے نکلے تو قیصر و کسریٰ کے محل، منارے، برج اور گنبد ان کے راستوں میں روپہلی گھاس کی طرح بچھتے چلے گئے...... پھر جیسے جیسے مسجدیں ان گنت اور عالی شان ہوتی گئیں...... مسلمانوں کی شان گھٹتی چلی گئی۔ ہم نے مساجد کے سائز اور سٹائل پر تو بہت توجہ دی لیکن اس کے رول سے، اس کے کردار سے ہماری توجہ ہٹتی چلی گئی اور ہم نے اسے بتدریج عبادت خانہ میں تبدیل کر دیا اور اس کا کثیرالمقاصد اور کثیرالجہت کردار بھلا بیٹھے۔ ہم نے مسجد کو بھلا دیا۔ تب ''ڈیڑھ اینٹ کی مسجد'' جیسے معنی خیز محاورے معرض وجود میں آئے اور شاعر چیخ اٹھے۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی تھا، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

مسجد کیا تھی؟

نظم و ضبط سے لے کر پابندی اوقات تک کا سمبل
بھائی چارے اور مثالی مساوات کی تربیت گاہ
صفائی، ستھرائی، پاکیزگی سیکھنے سکھانے کا مرکز
عدل، احسان، صلہ رحمی کا نشان
ترتیب، تعمیر، تحقیق، غور و فکر کا استعارہ
دین و دنیا میں سرخروئی اور فتح کی اکیڈمی

اور اب مسجد کیا ہے؟

مسلمان اپنی گمشدہ مسجد کی معنوی نہیں حقیقی تلاش میں کامیاب ہو جائیں تو رب کعبہ کی قسم یہ ناممکن ہے کہ جہاں مسجد ہو وہاں دور دور تک محبت، اخوت اور اتحاد نہ ہو۔

جہاں مسجد ہو وہاں دور دور تک کسی کو بھوک، بیروزگاری کے سبب خودکشی کرنی پڑے اور کوئی بچی بن جہیز بیٹھی رہے۔

جہاں مسجد ہو...... اس کے اردگرد جرم کیسے ہو سکتا ہے؟

جہاں مسجد ہو اس کے اردگرد گندگی، غلاظت اور نجاست کیسے ممکن ہے؟

جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہو...... وہاں تک جہالت جنم رسید نہیں ہوئی تو سمجھو کہ نہ کوئی مؤذن ہے نہ اذان اور نہ مسجد، نہ اس کی پہچان۔

مسجد کے اردگرد دور دور تک کسی میں کسی قسم کی تجاوزات کا تصور ہی ناممکن ہے۔ کسی پٹوار، تھانیدار کی مجال نہیں کہ آبادی کا استحصال کر سکے لیکن جہاں کی نوے فیصد مساجد خود تجاوزات کی مرتکب ہوں وہاں وہی کچھ ہوگا جو ہو رہا ہے......

> مسلمان مسجد سے نکلے تو قیصر و کسریٰ کے محل، منارے، برج اور گنبد ان کے راستوں میں روپہلی گھاس کی طرح بچھتے چلے گئے

یہ کیسے ممکن ہے کہ مسجد تو ہو لیکن اس کے اردگرد تفکر و تدبر کا حسن اور تعمیر و تحقیق کا شوق اور جستجو نہ ہو۔

مجھے ایک غیر ملکی کا یہ تبصرہ ہمیشہ ہانٹ کرتا ہے......

''تمہاری ٹریفک دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کو اپنے مذہب کی اے بی سی کی بھی سمجھ نہیں۔ تمہاری تو بنیادی ترین عبادت (نماز) میں ہی ڈسپلن اور وقت کی پابندی کا وہ سبق پوشیدہ ہے جس کا کوئی اور قوم سوچ بھی نہیں سکتی لیکن نہ تمہاری زندگیوں میں کوئی ترتیب اور نظم و نسق ہے، نہ تمہیں پابندی اوقات کا کوئی سلیقہ''...... میں نے ندامت سے سر جھکاتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے ادھ موئے لہجے میں کہا تھا: ''ہاں...... کیونکہ ہم نے اسے صرف ''حصول ثواب'' کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے'' تب اس غیر ملکی نے طنزیہ پوچھا: ''کیا تم ثواب کا لغوی مطلب جانتے ہو؟ جاؤ اور کسی لغت میں اس لفظ ''ثواب'' کا مطلب تلاش کرو تو شاید تم لوگوں کے عذاب میں کچھ کمی ہو سکے''۔

ہم تو ان ''بے ہودہ اصطلاحات'' پر زندہ ہیں جن کا دین مبین سے دور پار کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ ''مذہبی استعمار'' کا خوف اتنا ہے کہ کوئی اتنا پوچھنے کی جرأت بھی نہیں کرتا کہ...... ''ترک دنیا کے سبق پڑھانے والو! ہمارے آقا نے تو پوری دنیا پر غلبہ کی بنیاد رکھی تھی...... تم ہمیں کون سی افیون کھلانے چلے ہو؟''۔

بات کہاں سے کہاں جا نکلی...... مسجد سے نکلی اور مسجد کی تلاش میں بھٹک رہی ہے لیکن میرا ایمان ہے کہ جس دن مسلمان نے اپنی منزل کا یہ گمشدہ نشان...... یہ مسجد، اصلی مسجد ری ڈسکور (Rediscover) کر لی وہی دن ہماری صدیوں پر محیط رات کا آخری پہر ہوگا۔

ہمارا ایک جھلا سا...... پاگل سا...... خبطی سا...... دیوانہ سا دوست ہے جسے آپ میجر رشید وڑائچ کے نام سے جانتے ہوں گے...... اس نے ''مسجد مرکز تحریک'' شروع کی ہے۔ اس کے ارادے اور عزائم بہت ''خطرناک'' ہیں۔ جن کی تفصیلات میں جائے بغیر صرف اتنا عرض کروں گا کہ اس ملک کی اسٹیبلشمنٹ سے لے کر دیگر عوام دشمن مافیاز تک...... اس تحریک کو کہیں سے بھی سوائے مزاحمت کے کچھ نہ ملے گا...... ہاں البتہ عوام غیرت کھا جائیں تو بساط الٹ سکتی ہے لیکن یہ بساط الٹانا آسان نہیں۔

گلی گلی میں ہوا میری ہار کا اعلان
یہ کون جانے کہ میں تو بساط پر ہی نہ تھا

جہاندرو جنگجو میجر رشید وڑائچ کے لیے میرا مختصر اور مخلص ترین مشورہ یہ ہے کہ ''تحریک'' کو گولی مارو اور اپنی پوری طاقت، حکمت، محبت، مروت، وسائل، خصائل اور یکسوئی صرف ایک...... صرف ایک مسجد متعارف کرانے کے لیے وقف کر دو ایک مسجد ''ری ڈسکور'' (Rediscover) کر دو...... ایک ماڈل دے دو۔

صرف ایک مسجد کا سوال ہے بابا!

اس کے بعد جنہیں غیرت ضرورت ہوگی...... خود کر لیں گے ورنہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو جن کا نہ کوئی حال ہے نہ مستقبل۔

محبوب خزاں نے کہا تھا۔

ایک محبت کافی ہے
باقی عمر اضافی ہے
میجر رشید وڑائچ!
''بس ایک ہی مسجد کافی ہے''۔

(بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

مکرمی جناب تا کفت سعید صاحب

مدیر ہفت روزہ ندائے خلافت' لاہور

السلام علیکم!

ندائے خلافت کے شمارہ نمبر 20 میں' بانی تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص پڑھی۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا' البتہ اس تلخیص کا اختتامی پیراگراف یہاں درج کرتا ہوں: "حاصل کلام یہ ہے کہ اگر قرآن کو اپنی آنکھ سے پڑھا جائے اور اس پر تدبّر کیا جائے' تو اس سے یقین قلبی حاصل ہوتا ہے۔ جس میں شِدت بھی ہوتی ہے' گہرائی اور گیرائی بھی۔ قرآن پر غور و فکر کے نتیجے میں' فکر قرآنی سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور قرآن کے فلسفۂ معاشیات' سیاسیات' اور سماجیات کا شعور نصیب ہوتا ہے۔"

جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس خطبہ میں جو کچھ بیان فرمایا ہے اس کا نچوڑ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کا ہر فرد قرآن مجید کا مطالعہ کرے۔ مسلمانوں کے لیے یہ لازم ہے کہ اس عظیم کتاب کو سوچ سمجھ کر اپنی آنکھوں سے پڑھنے کے لیے اور قرآن فہمی کے لیے عربی زبان سیکھیں' تاکہ پڑھتے ہوئے قرآن ان کو سمجھ میں آتا جائے۔ قرآن کو تدبر اور غور و فکر کے ساتھ پڑھا جائے کیونکہ آج کے دور میں ضرورت شعوری ایمان کی ہے' اِس شعوری ایمان کی روشنی میں جو بھی عمل کرو گے وہ وہی راستہ ہوگا' جس پر چل کر نبی اکرم ﷺ نے تیئس برس کی قلیل مدت میں تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب برپا کردیا ہے۔ لیکن یہ شعوری ایمان ہمیں کہاں سے ملے گا' بقول شاعر۔

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ
ڈھونڈنے سے ملے گی عاقل کو' یہ قرآں کے سیپاروں میں

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطبہ میں لکھے گئے یہ الفاظ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ لیکن جو بات دل کو کانٹے کی طرح چبھتی رہتی ہے وہ یہ ہے کہ اس موضوع پر ایسے الفاظ ہم صدیوں سے سُن رہے ہیں' افسوس اس بات کا ہے کہ امتِ مسلمہ اِن زریں الفاظ کے مطابق عمل نہ کرسکی۔

عربی کیسے سیکھی جائے؟ عربی کا معیار کم از کم ایسا ہو کہ اس کی مدد سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت اس کا مطلب سمجھ میں آجائے۔ اور اگر اللہ توفیق دے تو قرآنی آیات و ہدایات پر غور و فکر کرنے کا شعور بھی حاصل ہو اور پھر ان کے مطابق عمل بھی ہو۔ قرآن اکیڈمی' لاہور جیسے اداروں میں قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ صحیح راستہ ہے لیکن 15' 16 کروڑ عوام کے لیے ناکافی ہے۔ موجودہ دور میں پاکستان کسی صورت میں مملکت جمہوریہ' اسلامیہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ ہماری سیاست' ہماری حکومت' ہماری معیشت' ہماری معاشرت' اسلامی حدود کو قبول کرنے سے گریزاں ہیں۔ حقیقت میں وہ قرآنی علم و عمل سے واقفیت ہی نہیں رکھتے۔ عوام کی اکثریت تک قرآنی علم و عمل اور دینِ اسلام کی روشنی سے محروم ہے۔ وہ غربت اور کس مپرسی کے عذاب' ظلم و ستم کے کچوکوں' اور جہالت کے بھاری پتھروں تلے دبے پڑے ہیں۔ اربابِ بست و کشاد مطمئن ہیں۔ ایسے ماحول میں قرآنی علم و عمل کی روشنی عوام تک کیسے پہنچائی جاسکتی ہے۔ میرے پاس تو صرف ایک ہی تجویز ہے۔ اور یہ تجویز ہر ذی شعور انسان کی زبان پر ہے۔ دو چار دن سے نہیں' صدیوں سے ہے۔ کوئی ایسی صورت پیدا کرو' کوئی ایسی منصوبہ بندی پر ڈٹ جاؤ کہ ملک کا ہر فرد بشر عربی کی تعلیم حاصل کرسکے۔ تاکہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ' قرآنی علم و عمل کے متعلق دی گئی ہدایات' تنبیہات' اور احکام کے مطابق' زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک قابل عمل صورت یہ ہے کہ بچوں کے نصابِ تعلیم میں' دوسرے مضامین کے ساتھ ساتھ' عربی مضمون کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔

1۔ پہلی جماعت سے پانچویں جماعت تک صرف عربی گرائمر کی تعلیم دی جائے۔
2۔ چھٹی جماعت سے آٹھویں جماعت تک قرآن کریم کا کچھ حصہ کورس میں شامل کیا جائے۔
3۔ میٹرک تک مکمل قرآن مجید کی تعلیم کو کورس میں شامل کیا جائے۔
4۔ قرآن کریم کی تعلیم پر نمبر نہ دیے جائیں لیکن ریکارڈ کے مطابق اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ طالب علم اس مضمون میں کامیاب ہوا ہے یا ناکام۔
5۔ جو طالب علم اس مضمون کی طرف توجہ نہ دے یا فیل ہو جائے تو اُس کو اُس وقت تک میٹرک کا سرٹیفکیٹ نہ دیا جائے جب تک وہ اس مضمون میں کامیاب نہ ہو جائے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں ایسی منصوبہ بندی پر عمل کرنا کیسے ممکن ہوگا۔ اس حقیقت سے تو کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ موجودہ دور میں کوئی بھی حکومت' کوئی بھی محکمۂ تعلیم ایسے نصاب کو رائج کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ جس کو پاکستان بھر کے علمائے دین کی حمایت حاصل ہو۔ دوسری طرف اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن اور رُوح کا منبع ایک ہی ذات ہے' یعنی ذاتِ باری تعالیٰ۔ قرآن بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوا ہے' اور ارواحِ انسانی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے۔ باری تعالیٰ کے لیے تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ کی روح کے اندر زندگی کی معمولی رمق بھی موجود ہے تو وہ خود بخود اس کا ادراک کرے گی۔

ان گزارشات کے ساتھ امت مسلمہ کو اس حقیقت کی جانب متوجہ کرنا مقصود ہے کہ ہم اس وقت درحقیقت اس جرم کی پاداش میں عذابِ الٰہی میں گرفتار ہیں کہ ہم دنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے اور دینِ حق کے علمبردار ہونے کے مدعی ہو کر اپنے عمل کی وجہ سے' ان سب کی تکذیب کررہے ہیں۔ عذابِ الٰہی سے نجات حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اللہ کی نمائندگی کا حق ادا کریں۔ اور اس طرح شہادت علی الناس کی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں۔ جس کے لیے ہمیں بحیثیتِ امت برپا کیا گیا تھا۔

کیا اللہ کے فرمان کے مطابق عمل کرنے کا وقت' اور دینِ حق کو قائم کرنے کے لیے جہاد کا راستہ اختیار کرنے کا وقت آ نہیں گیا؟ عمل سے گریز کی وجہ سے' انحطاط زور پکڑ چکا ہے۔ چاق و چوبند رہنے کا تخیل' علمی اور سیاسی ارتقاء' تکلیف برداری' میدانِ جنگ' مالی اور جانی قربانی' اتحادِ عمل اور مساوات کا تخیل' تمام کا تمام یکسر آنکھوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ خود خدائے قدوس کی اصطلاحوں کے مفہوم میں جو اس نے اپنا قانون سمجھانے کے لیے قرآنِ حکیم میں استعمال کیں' دردناک تحریف ہوگیا ہے۔ توحید اور شرک کے تصور کی جگہ وحدانیت اور کثرت نے لے لی ہے۔ اللہ کی بندگی کا مطلب اللہ کی چاکری کا صرف زبانی اقرار رہ گیا ہے۔ صبر کا مطلب ڈٹے رہنے اور ہمت نہ ہارنے کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا بن گیا۔ جنت کے حصول کے لیے میدانِ جنگ میں جان دینے کی بجائے' صرف زبان سے اس کا تذکرہ کرنا کافی سمجھا جانے لگا' اور فساد نے جسے قرآن میں قتل سے بدتر سمجھا جاتا ہے فرقہ بندی کی صورت میں پوری ملت کو دبوچ لیا ہے۔ اب بھی کچھ دردمند لوگ موجود ہیں جن کو اس دردناک زوال' اور قوم کی پس ماندگی کا احساس ہے۔ وہ دنیا کے نقشے پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں ایک یاس انگیز خلا نظر آتا ہے۔ وہ بلبلا اٹھتے ہیں' ہم کیا تھے اور کیا ہوگئے ہیں۔ ان کی چیخوں میں کرب ہے' ان کی دعاؤں میں درد ہے۔ ان کے کلام میں تڑپ ہے۔ مگر قوم نے ان کے کلام سے بھی وہی کچھ کیا جو کہ اس نے قرآنی اصطلاحات سے کیا۔ قوم کی زوال یافتہ محسوسات جو صدیوں سے عمل سے ناآشنا ہیں' صرف تحریر اور تقریر کو ہی زندگی کا زیر و بم سمجھ چکی ہیں۔ صرف کلام سے کس طرح آمادہ عمل ہوسکتی ہے۔

جناب سید شبیر حسین مرحوم اپنی کتاب "صراطِ مستقیم" میں رقم طراز ہیں۔

یہ جدوجہد' یہ علمی اور عسکری طاقت' یہ بہشتِ عمل کیونکر پیدا ہو۔ اس قوت کے حصول کے لیے قوم کیا کرے حکومت کیا قدم اُٹھائے' جوان کیا کرے' بوڑھا کیا سامان پیدا کرے' عالمِ فطرت کن خزانوں پر چھاپا مارے' عالمِ دین قرآن کا اصلی رنگ کیونکر پیش کرے' سادہ لوح اور بے علم کس جاں گداز جرأت کا سماں باندھے؟ یہ سیدھے سادے سوال ہیں جو آج ہر پاکستانی مسلمان کی سمجھ میں آنے چاہئیں۔ کیونکہ ان کے عملی جواب میں ہی قوم کی بقا کا راز مضمر ہے۔

تزکیۂ نفس' اتحادِ عملی' اطاعت گزاری' خاموشی اور موت سے عشق سپاہیانہ زندگی کے وہ لوازمات ہیں جن کے بغیر سپاہی' سپاہی کہلانے کا مستحق نہیں۔ فوج کا کارپورل ہو یا کمان دار ہو یا نہ ہو' اس پر آسائش سے اجتناب از روئے قرآن فرض ہے۔

اور قرآن مجید کی تعلیم کو مشکل نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے اعادہ کو یاد رکھو:
"اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے۔ تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟" (القمر)

(خاکسار)
شوکت علی

فلک سیر (ٹورسٹ)
ریزورٹ ساگز ریسٹورنٹ
ملم جبہ، سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام وطعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ
شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کارپوریشن پاکستان کی چیئرلفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے روشن اور ہوادار کمرے، نئے قالین، عمدہ فرنیچر، صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے، اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی
کے پاکیزہ و دلفریب مظاہر سے
قلب و روح کو شاد کام کرنے کا
بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت

فلک سیر کارپوریشن
جی ٹی روڈ، امان کوٹ، مینگورہ سوات
فون دفتر: 0946-725056
ہوٹل: 0946-835295 فیکس: 0946-720031

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I، II، III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:
شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی، 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ــــ زیر اہتمام

قرآن کالج

191۔ اتاترک بلاک،
نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 5833637

علمِ دین اور فکرِ حاضر کے امتزاج کی ایک منفرد کوشش

خصوصیات:

- عربی اور انگریزی کی پختہ اساس
- قرآن کے انقلابی فکر کا تعارف
- تفسیر، حدیث اور فقہ کے اصول
- اور ان کے ساتھ ساتھ

جدید سیاسیات اور اقتصادیات کا گہرا فہم!

ایف اے سال اول اور بی اے سال اول میں داخلے جاری ہیں

ڈاکٹر اسرار احمد
صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36K۔ ماڈل ٹاؤن، لاہور (فون: 3-5869501)

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

رجوع الی القرآن کورس
(پارٹ ا)

میں داخلے کے لیے طالبانِ قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں!

تعلیم یافتہ حضرات کے لیے قرآن حکیم کو سمجھنے اور فہم دین کے حصول کا سنہری موقع

یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لیے ترتیب دیا گیا ہے' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔

نصاب

۱) عربی صرف ونحو
۲) ترجمۂ قرآن (تقریباً پانچ پارے)
۳) آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل (تقریباً دو پارے)
۴) قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی (منتخب دروسِ قرآن)
۵) تجوید وحفظ
۶) مطالعۂ حدیث
۷) اصطلاحاتِ حدیث
۸) اضافی محاضرات

○ کورس کا آغاز ہو چکا ہے۔ کورس کا دورانیہ (9) ماہ ہے۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل، طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور (فون: 03-5869501-042)

☆ تجدیداور تجدّد میں کیافرق ہے؟ ☆ اکبرنام رکھناجائز ہے؟

☆ کیاصرف فرض ادا کرنے سے نماز ہوجاتی ہے؟

☆تحریکِ نظام مصطفیٰ ﷺ کے نتیجہ میں اِسلامی نظام کیوں نافذ نہ ہوا؟

قارئین ندائے خلافت کے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

س: ڈاکٹر صاحب آپ کہتے ہیں انتخابی سیاست سے اِسلامی نظام نافذ نہیں ہوسکتا تحریکِ نظام مصطفیٰ اسلام نافذ کرنے کے لیے ایک انقلابی تحریک تھی' پھر اُس تحریک کے نتیجہ میں اِسلامی نظام کیوں نافذ نہ ہوا؟ (عقیل)

ج: ہمارا نکتہ نظر یہی ہے کہ انتخابی سیاست کے ذریعے اِسلامی نظام نافذ نہیں ہوسکتا' بہت سے لوگوں کو اس سے اختلاف بھی ہوسکتا ہے جہاں تک تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا تعلق ہے وہ صرف بھٹو مخالف تحریک تھی عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اُس پر نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا لیبل لگادیا گیا تھا حالانکہ اُس تحریک میں ایسی سیاسی جماعتیں بھی شامل تھیں جو سیکولرازم پر یقین رکھتی تھیں۔ علاوہ ازیں تحریک کے کارکنوں کے اپنے شب و روز بھی اِسلامی تعلیمات کے مطابق نہ تھے' لہٰذا تحریک کی کامیابی کے باوجود بھی اِسلامی نظام نافذ نہ ہوسکا۔

س: کیا حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد جنگ احد کے واقعہ پر اظہارِ افسوس کیا تھا؟ (سہیل)

ج: یقیناً کیا ہوگا' لیکن حالت کفر میں کیے گئے گناہوں کے بعد کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کر لینا تمام جرائم کو صاف کر دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں سابقہ زندگی کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ ایک کفر سے اسلام میں داخل ہونا' دوسرا اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر اللہ کی راہ میں ہجرت کرنا اور تیسرا حج مبرور یعنی ایسا حج جو حلال کمائی' خلوص نیت اور فرائض حج کی مکمل ادائیگی کے ساتھ کیا جائے۔

س: کیا صرف فرض ادا کرنے سے نماز ہوجاتی ہے؟ (محمد وسیم)

ج: نماز کا کم سے کم تقاضا تو پورا ہوجاتا ہے' اس لئے کہ حقیقت کے اعتبار سے فرائض کے بعد جو بھی ہے وہ نوافل ہیں لیکن کچھ نوافل ایسے ہیں جس کا حضور ﷺ نے زیادہ التزام کیا اور کچھ کا ذرا کم' فقہاء کرام نے اس میں Catagories بنادی ہیں' سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔ مؤکدہ سنتوں کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیے جبکہ غیر مؤکدہ سنتیں اختیاری ہیں۔ ہمت اور وقت کے مطابق جو نمازی ان کی ادائیگی کرے گا' وہ اجر وثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔

س: میں داڑھی رکھنا چاہتا ہوں لیکن بقول میری بیوی کے داڑھی میرے چہرے پر اچھی نہیں لگتی' میری راہنمائی فرمائیے؟ (عبدالقیوم)

ج: نبی اکرم ﷺ سمیت تمام انبیائے کرامؑ کی داڑھی تھی گویا یہ تمام رسولوں اور انبیائے کرامؑ کی مشترکہ سنت ہے۔ اس پر مزید یہ کہ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ ''مونچھیں کتراؤ اور داڑھی بڑھاؤ'' لہٰذا آپ اپنے نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل کریں۔ ان شاء اللہ رفتہ رفتہ سب کو پسند بھی آجائے گی۔

س: کسی شخص کا نام اکبر ہو تو کیا یہ نام رکھنا جائز ہے کیونکہ اکبر تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے ہے کیا ایسا نام رکھنے سے شرک کا شائبہ تو نہیں ہوگا؟ (اشفاق)

ج: نہیں اکبر نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں محض اکبر سے یہ اللہ کا نام نہیں بنے گا اگر اس کے ساتھ ''ال'' لگایا جائے یعنی الاکبر تو یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے ہے۔ جیسے علیم کسی کا بھی نام ہوسکتا ہے لیکن ''العلیم'' صرف اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

س: اگر کوئی شخص اِسلامی نظام نافذ کرنے کی کوشش نہیں کرتا لیکن وہ نماز' روزہ اور دوسرے فرائض کا پابند ہے' نیز منکرات سے بھی بچا ہوا ہے تو کیا اُس کی زندگی قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق ہے کہ ''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔'' (مشتاق)

ج: اسلامی نظام کو نافذ یا قائم کرنے کے لئے کوشش کرنا انتہائی اہم فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ الشوریٰ میں فرماتا ہے۔

''دین کو قائم کرو (یا قائم رکھو) اور اِس بارے میں تفرقے میں نہ پڑو۔''

لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اِس کے بارے میں کِسی انسان کو اپنے فلسفے جھاڑنے کی ضرورت نہیں اور کوئی ایسا خیالی فرقہ بنانے کی ضرورت نہیں جس میں کہا جائے کہ اِسلامی نظام موجودہ حالات میں نافذ نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین کو قائم کرنے کے معاملے میں تفرقے میں نہ پڑو۔ علاوہ ازیں جو شخص اس فریضے کا شعور رکھنے کے باوجود اِسلام کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو اِس انتہائی اہم فریضہ کے چھوٹ جانے کا اُس کو آخرت میں جواب دہ ہونا ہوگا۔

س: تجدید اور تجدد میں کیا فرق ہے؟ (اسحاق)

ج: اِسلامی علوم' افکار و خیالات کو ہر زمانے کی ضرورت اور حالات کے مطابق پیش کرنا لیکن اِس میں اِسلام کے بنیادی اصولوں کے اندر تبدیلی نہ کی جائے تجدید کہلاتا ہے' جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مجددین امت نے کیا۔ جبکہ تجدد یہ ہے کہ اِسلام کے بنیادی اصولوں کے اندر تبدیلی کر کے اور اِسلام کی کتر بیونت کر کے اُس کو موجودہ حالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے اِس سے اِسلام نہیں رہتا بلکہ ایک نیا دین ایجاد ہوجاتا ہے' جیسا کہ آج کل روشن خیال دانشور کرنے کی کوششیں کرر ہے ہیں۔

کالم ''تفہیم المسائل'' میں سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس media@tanzeem.org پر بھیجے جاسکتے ہیں۔

حلقہ بہاولنگر و بہاولپور کے زیر اہتمام مظاہرے کی روداد

مظاہرے کے لئے بہاولپور شہر کے فرید گیٹ کا علاقہ چنا گیا۔ طے یہ پایا کہ تمام رفقاء صبح 10 بجے وہاں اکٹھے ہوں گے' 11 بجے سے 12 بجے تک مظاہرے کا پروگرام تھا۔ مقامی اخبار میں اشتہار بھی دے دیا گیا تھا۔ ٹی بورڈ' بینرز کے لئے مجوزہ مواد تو مرکزی شعبہ دعوت سے ارسال کر دیا گیا تھا لیکن چونکہ حدود آرڈیننس کا معاملہ بھی تازہ تھا' اس لئے کچھ اضافی ٹی بورڈز خصوصی طور پر لکھوائے گئے۔ اس طرح یہ سودی نظام' لبنان پر اسرائیل کی جارحیت اور حدود آرڈیننس کے حوالے سے مظاہرہ تھا۔

اکثر ساتھی وقت مظاہرہ سے قبل ہی پہنچ گئے تھے۔ امیر حلقہ جناب منیر احمد نے ساتھیوں کو ہدایات دیں۔ اپنی نظروں کی حفاظت' دل میں اللہ کی یاد تازہ رکھنے اور دیگر انتظامی معاملات پر روشنی ڈالی۔ کچھ ساتھیوں کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ اردگرد کے بازاروں میں ہینڈ بل تقسیم کریں اور تنظیم کا تعارف کرائیں۔ فرید گیٹ پر بھی ساتھیوں کو ہینڈ بل تقسیم کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ اس دوران محتاط اندازے کے مطابق 6000 ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ پھر تمام ساتھیوں کو ایک مقام پر اکٹھا کر کے امیر حلقہ نے سود کی حرمت پر قرآن وسنت کے حوالے سے خطاب کیا۔ آخر میں رفقاء نے ایک مختصر روٹ پر منظم جلوس کی شکل میں مارچ کیا اور دُعا کے بعد یہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ (مرتب: محمد اشرف وصی)

حلقہ جنوبی پنجاب کا سودی معیشت کے خلاف مظاہرہ

مظاہرہ سے دو ہفتہ قبل دس ہزار ہینڈ بل مختلف مساجد میں تقسیم کئے گئے۔ تمام رفقاء حلقہ کو بذریعہ خط اطلاع دی گئی۔ دو دن قبل 6 اخبارات کو بذریعہ خط مظاہرہ کی اطلاع پہنچائی گئی۔

26 اگست کو نماز ظہر کے وقت قرآن اکیڈمی ملتان میں چاروں مقامی تنظیم کے رفقاء جمع ہوئے جبکہ وہاڑی سے بھی رفقاء تنظیم تشریف لائے۔ ظہرانہ کے بعد کچھ دیر آرام کا وقت دیا گیا۔ ساڑھے تین بجے امیر حلقہ نے رفقاء کو خوش آمدید کہا اور استقبالیہ کلمات سے بات کی۔ چار بجے تمام رفقاء نواں شہر چوک میں مظاہرہ کے لئے جمع ہوئے۔ اس دوران ہینڈ بل بھی تقسیم کئے گئے۔ رفقاء نے جھنڈے اور بینرز اٹھا رکھے تھے۔ ایک گھنٹہ چوک میں مظاہرہ کرنے کے بعد رفقاء ڈسپلن کی پابندی کرتے ہوئے مختلف اخبارات کے دفاتر میں جا پہنچے۔ تقریباً 6 بجے امیر حلقہ نے رفقاء کو اکٹھا کر کے اختتامی خطاب کیا۔ دعا پر ریلی کا اختتام ہوا۔ (مرتب: شوکت حسین)

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کا دورہ وہاڑی

تنظیم اسلامی وہاڑی کے اسرہ شرقی کالونی کے نقیب جناب ڈاکٹر مظہر الاسلام نے تقریباً اڑھائی ماہ میں اپنی رہائش گاہ پر دورہ ترجمہ قرآن مکمل کیا۔ اس پروگرام میں شرکاء کی اوسطاً حاضری 25 رہی۔ دورہ ترجمۃ القرآن کی تکمیل پر 19 اگست کو ایک اختتامی تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں امیر محترم حافظ عاکف سعید صاحب کو مدعو کیا گیا۔

رفقاء سے مشورہ کر کے پروگرام کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ تشہیر کے لئے دو ہزار ہینڈ بل اور 6 عدد بینرز تیار کرائے گئے۔ لوگوں سے خصوصی طور پر ذاتی رابطہ بھی کیا گیا۔ امیر محترم کے خطاب کے لئے T.M.A وہاڑی کا ایئر کنڈیشنڈ ہال بک کرایا گیا۔ ملتان سے امیر حلقہ جناب سعید اظہر عاصم مقررہ دن کو صبح 9 بجے تشریف لائے۔

امیر محترم لاہور سے بذریعہ کار صبح 10:30 بجے وہاڑی پہنچے۔ 11 بجے خواتین سے ایک گھنٹہ خطاب فرمایا۔ خطاب کا موضوع ''خواتین کی دینی ذمہ داریاں اور قرآن کا پیغام'' تھا۔ اس پروگرام میں تقریباً 250 خواتین نے شرکت کی۔ اس موقع پر مکتبہ کا سٹال بھی لگایا گیا' جس میں کافی مقدار میں تنظیمی کتب اور کیسٹ فروخت ہوئے۔ 3 بجے پریس کلب وہاڑی میں ایک پروگرام کا اہتمام کیا گیا' جہاں امیر محترم نے ملکی اور بین الاقوامی صورتحال پر آدھ گھنٹہ گفتگو فرمائی۔ امیر محترم نے وہاڑی کے زیر تعمیر مرکز کا معائنہ بھی کیا اور اس کو بہتر بنانے کے لئے ہدایات دیں۔ بعد نماز مغرب T.M.A ہال میں خطاب عام ہوا۔ امیر محترم نے تکمیل دورہ ترجمۃ القرآن کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔ اس سے قبل ڈاکٹر مظہر الاسلام نے قرآن مجید کی آخری تین سورتوں کا مختصر ترجمہ وتشریح کی۔ اس پروگرام میں تقریباً 200 افراد نے شرکت کی۔ (مرتب: راؤ محمد جمیل)

حلقہ بالائی سندھ کے زیر اہتمام سہ روزہ دعوتی پروگرام

پروگرام میں امیر حلقہ جناب غلام محمد سومرو کے ساتھ مرکزی شعبہ دعوت کے ناظم جناب چودھری رحمت اللہ بٹر اور نائب ناظم محمد اشرف وصی صاحب نے خصوصی طور پر شرکت فرمائی۔ شیڈول کے مطابق 9 بجے مسجد النور میں تربیتی نشست کا انعقاد ہوا۔ تربیت کے فرائض جناب اشرف وصی نے انجام دیئے۔ انہوں نے دین اسلام کے تمام گوشے شرکاء کے سامنے رکھے اور تنظیم کے فکر کو اجاگر کروایا۔ تربیت کا یہ سلسلہ تینوں دن جاری رہا۔ تربیتی نشست میں رفقاء کی حاضری اوسطاً 18 جبکہ احباب کی شرکت 12 رہی۔

1۔ 13 اگست کو تین خطاب ہوئے۔ جامع مسجد شیخ زاید ہسپتال میں بعد نماز عصر جناب رحمت اللہ بٹر نے ''عبادت رب'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ درس میں 20 رفقاء اور 80 احباب شریک ہوئے۔ دوسرا خطاب مسجد الھدیٰ غوثیہ کالونی میں بعد نماز مغرب ہوا۔ مقرر جناب رحمت اللہ بٹر تھے۔ اس میں 10 رفقاء اور 15 احباب شریک ہوئے۔ اس دن کا تیسرا پروگرام النور جامع مسجد میں بعد نماز عشاء ہوا۔ مقرر حافظ محمد خالد شفیع جبکہ موضوع ''عبادت رب'' تھا۔ خطاب میں 12 رفقاء اور 15 احباب شریک ہوئے۔

2۔ 14 اگست کا پہلا خطاب شیخ زاید ہسپتال میں ''اقامت دین'' کے موضوع پر ہوا۔ مقرر رحمت اللہ بٹر صاحب تھے۔ اس میں 20 رفقاء اور 50 احباب شریک ہوئے۔ دوسرا خطاب الھدیٰ مسجد' غوثیہ کالونی میں بعد نماز مغرب جناب محمد اشرف وصی نے کیا' جس میں 10 رفقاء اور 10 احباب شریک ہوئے۔ تیسرا خطاب النور جامع مسجد میں بعد نماز عشاء ہوا۔ جناب رحمت اللہ بٹر نے 10 رفقاء اور 20 احباب کے سامنے گفتگو کی۔

3۔ 15 اگست کو صرف ایک خطاب ہوسکا۔ بعد نماز عصر شیخ زاید جامع مسجد میں جناب رحمت اللہ بٹر نے ''شہادت علی الناس'' کے موضوع پر مفصل گفتگو فرمائی۔ خطاب میں 15 رفقاء اور 60 احباب شریک ہوئے۔ آخر میں تنظیم اسلامی کا دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

(رپورٹ: نصر اللہ انصاری)

حلقہ سرحد شمالی کا تعارفی پروگرام برائے مبتدی رفقاء

یہ پروگرام بٹ خیلہ کے مقام پر 13 اگست کو طے تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس پروگرام میں 25 افراد شامل ہوئے' جن میں احباب بھی شامل تھے۔ تلاوت وتعارف کے بعد پروگرام کی پہلی بات تعارف تنظیم اسلامی اور تعارف بانی تنظیم و امیر تنظیم پر مشتمل تھی۔ معتمد حلقہ جناب شاہ وارث نے یہ فریضہ پورا کیا۔ اس کے بعد دوسرا موضوع ''فرائض دینی کا جامع تصور'' تھا جسے جناب حبیب علی نے چارٹس کی مدد سے پیش کیا۔ چائے کے وقفے کے بعد مقامی تنظیم بٹ خیلہ کے امیر جناب شوکت اللہ نے ''جماعت اور بیعت کی اہمیت و ضرورت'' پر بورڈ کی مدد سے احادیث کی روشنی میں وضاحت کی۔

نماز ظہر اور ظہرانے کے بعد راقم نے تنظیم اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ اور ذمہ دار حضرات کا تعارف پیش کیا۔ اگلا موضوع ''ایک رفیق کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟'' تھا جو جناب محمد امین سواتی نے پیش کیا۔ روزمرہ کے معمولات کو درج کرنے کے لئے جو یادداشت رپورٹ دی جاتی ہے' راقم نے اُسے تفصیل سے واضح کیا۔ پروگرام کا اختتام سوال وجواب کی نشست پر مشتمل تھا۔ شام چار بجے رفقاء و احباب اپنے گھروں کو ایک نئے عزم کے ساتھ رخصت ہوئے۔ (مرتب: احسان الودود)

عراق خانہ جنگی کی لپیٹ میں

آخر کار وہی ہوا جس کا خدشہ تھا' امریکا نے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے عراق کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک دیا ہے۔ عراق میں خانہ جنگی کروانا امریکیوں کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا' انہوں نے انگریزوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے پرانے نظریے "آپس میں لڑاؤ اور خود تماشا دیکھو" کا سہارا لیا اور پوری طرح کامیاب رہے۔ شروع میں عراقی جماعتیں امریکی فوج سے برسرپیکار رہیں' لیکن پھر امریکی سنیوں اور شیعوں کو آمنے سامنے لانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ امید واثق ہے کہ ابتدا میں امریکی ایجنٹوں نے سنیوں اور شیعوں پر بالترتیب شیعہ اور سنی کی شکل میں حملے کیے ہوں گے تاکہ خانہ جنگی کی آگ بھڑکا سکیں۔ 2 ستمبر کو اسی آگ کی لپیٹ میں آکر گیارہ پاکستانی زائرین بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آج کی عالمی صورت حال مسلمانوں سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد قائم کریں اور تمام تر اختلافات کو بھلا کر ان کی طاقتوں کے خلاف صف آرا ہو جائیں جو انہیں نیست و نابود کرنا چاہتی ہیں۔

افغانستان کی صورت حال

نیٹو فوج بدستور طالبان کے خلاف نبرد آزما ہے۔ اس کے کمانڈر کا دعویٰ ہے کہ مارچ 2007ء تک ملک سے طالبان کا صفایا ہو جائے گا۔ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ یہ دعویٰ درست ثابت ہوتا ہے یا غلط' فی الحال برطانوی افغانستان میں خاصے مشکل دور سے گزر رہے ہیں۔ 2 ستمبر کو چودہ برطانوی فوجی ایک فضائی حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ برطانوی حکومت کا کہنا ہے کہ یہ حادثہ طیارے میں فنی خرابی کی وجہ سے پیش آیا' جبکہ طالبان کا کہنا ہے کہ طیارہ اسٹنگر میزائل کے ذریعے مار گرایا گیا۔

جس طرح امریکی عراق کی بنیادیں کھوکھلی کر رہے ہیں' اسی طرح برطانوی اور یورپی افغانستان کو تباہ و برباد کرنے میں مصروف ہیں۔ طالبان کے دور میں کسی قبائلی رہنما یا جنگی سردار (وارلارڈز) میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ طالبان کا سامنا کرتا' مگر امریکی پشت پناہی میں کرزئی حکومت بننے اور جمہوریت کا بول بالا ہوتے ہی وہ تمام برائیاں سینہ ٹھونک کر افغانستان میں چلی آئیں جو طالبان حکومت میں دم دبا کر بھاگ گئی تھیں۔

زندگی کا بیمہ غیر اسلامی

بھارت کے دارالعلوم دیوبند نے فتویٰ دیا ہے کہ ایک مسلمان کو زندگی کا بیمہ نہیں کرانا چاہیے' کیونکہ یہ غیر اسلامی ہے۔ دارالعلوم سے منسلک مولانا شاہد ریحان کا کہنا ہے: "زندگی اللہ کی دین ہوتی ہے' اور اس کی انشورنس کرانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ ہے۔" اس فتویٰ پر علماء کے درمیان بحث و مباحثہ جاری ہے' کیونکہ کچھ زندگی کا بیمہ کرانا گناہ نہیں سمجھتے۔

احمدی نژاد کا چیلنج

29 اگست کو ایرانی صدر احمدی نژاد نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے امریکی صدر بش کو دعوت دی کہ وہ ٹی وی پر آکر ان سے عالمی موضوعات پر گفتگو کریں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے۔ تاہم امریکی حکومت نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ احمدی نژاد چاہتے ہیں کہ یہ گفتگو بلا سنسر ہو تاکہ ساری امریکی عوام اُسے سن سکیں۔

ہمیں یقین ہے کہ صدر نژاد کئی معاملات پر صدر بش کی سٹی گم کر دیتے' اس لیے آخر الذکر میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ دنیا میں اپنے سخت ترین مخالف کا سامنا کرتے۔ اسی ایک حقیقت سے یہ بات عیاں ہے کہ وہ امریکا جسے ایک زمانے میں جمہوریت اور حقوق انسانی کا چیمپین سمجھا جاتا تھا' اب دہشت گردی کے نام پر اتنی گراوٹ کا شکار ہو چکا ہے کہ اُسے پوری دنیا میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ہے۔

برونائی کے شہزادے کا امریکی گلوکارہ کو تحفہ

برونائی کے شہزادہ عظیم نے مشہور امریکی پاپ گلوکارہ ماریہ کیری کو 34.5 کروڑ مالیت کا ڈائمنڈ سیٹ تحفے میں دیا ہے۔ اور مزید اسراف اور فضول خرچی یہ کہ یہ قیمتی تحفہ خصوصی طیارے کے ذریعے بھیجا گیا۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کے پڑوس میں قحط غربت و افلاس سے انسانی زندگیاں سسکیاں لے رہی ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے حکمران عیش و عشرت میں ڈوبے غیر ملکی و عیسائی طوائفوں پر کروڑوں روپے نچھاور کر رہے ہیں۔ جب حالات یہ صورتحال اختیار کریں تو پھر اللہ تعالیٰ کی سنت اپنی عطا کردہ نعمتوں کا حساب چکانے میں دیر نہیں لگاتی۔

ترک فوج لبنان میں

ترکی نے بحیثیت امن فوج اپنے فوجی لبنان بھجوانے کی حامی بھر لی ہے' مگر اس نے خبردار کیا ہے کہ اگر اُسے کہا گیا کہ حزب اللہ کو غیر مسلح کرو' تو وہ واپس آ جائے گی۔ واضح رہے کہ بیشتر اسلامی ملک اسی خوف کے باعث لبنان اپنی فوج نہیں بھجوا رہے کہ کہیں ان کا حزب اللہ سے ٹکراؤ نہ ہو جائے۔ اُدھر اسرائیل کو عبرت ناک شکست دے کر حزب اللہ اور اس کے قائد عام مسلمانوں کے ہیرو بن چکے ہیں۔ اسی لیے کوئی اسلامی ملک حزب اللہ سے متصادم ہو کر اپنی عوام کی مخالفت کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں۔

ایران کو دو ہفتے مل گئے

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایران کو 31 اگست تک کا وقت دیا تھا تاکہ وہ یورینیم کی افزودگی روک دے۔ ایرانی حکومت پر اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ اپنا ایٹمی منصوبہ وسیع کرنے لگی ہے۔ دراصل لبنان میں اسرائیلیوں کی پٹائی سے امریکا اور اسرائیل کو اندازہ ہو گیا ہے کہ ایرانی ایٹمی تنصیبات تباہ کرنا بچوں کا کھیل نہیں اور اگر ایسے کسی منصوبے پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کی گئی تو لگنے والی آگ سے وہ خود بھی جل جائیں گے۔ ایرانیوں کو بھی اس حقیقت کا علم ہے لہٰذا وہ اپنے حق سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔

امریکا اور اس کے حواریوں کی بھرپور کوشش ہے کہ ایران پر سخت سے سخت پابندیاں عائد کر دی جائیں تاہم چین اور روس ان کے آڑے آ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ معاملہ گولی کے بجائے گفتگو سے حل کیا جائے۔ بہرحال یورپی یونین کی کوششوں سے ایرانی حکومت کو مزید دو ہفتے دیئے گئے ہیں تاکہ وہ کوئی فیصلہ کر لے۔ یاد رہے کہ یورینیم کی افزودگی روکنے پر یورپی یونین نے ایران کو پرکشش مراعات دینے کا اعلان کر رکھا ہے۔

فلسطین میں متحدہ حکومت

دو ستمبر کو فلسطین اتھارٹی کے صدر محمود عباس اور وزیراعظم اسماعیل حانیہ کے مابین بات چیت ہوئی جس میں طے پایا کہ جلد ایک متحدہ حکومت قائم کر لی جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو یقیناً اس کی بنیادی وجہ یہ ہوگی کہ اسرائیلی فوج سے چھٹکارا پایا جائے جس نے غزہ پر دھاوا بول رکھا ہے۔ حزب اللہ نے تو اسرائیلیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا مگر بیچارے فلسطینی پتھروں اور غلیلوں کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔

امریکا کا دوغلا پن اس حقیقت سے عیاں ہے کہ ایک طرف وہ مشرق وسطیٰ میں جمہوریت قائم کرنے میں کوشاں ہے اور دوسری طرف جب عوامی طاقت سے حماس برسر اقتدار آئی' تو وہ اپنے پالتوؤں کے ساتھ اُسے گرانے میں مصروف ہو گیا۔ یہ کہاں کی جمہوریت ہے؟ اگر "جمہوریت" اور "حقوق انسانی" ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں' تو اس سے آمریت اور بادشاہت بدرجہا بہتر ہیں جو کم از کم ایک چہرہ رکھتی ہیں۔

anti-war critics out of their studios and off the air. They've limited their Iraq coverage to scenes of Arab's killing Arabs rather that the daily digest of American bombing-raids, decimated Iraqi cities and an entire nation reduced to anarchy. Still, in Rumsfeld's mind, any information that leaches through the fissures in the media façade and doesn't promote the blinkered goal of American corporate-hegemony is tantamount to treason.

"Those who know the truth need to speak out against these kinds of (media) myths and distortions that are being told about our country and our troops," Rumsfeld moaned. "The struggle we are in is too important to have the luxury of returning to that old mentality of "Blame America First."'

Rumsfeld's words were immediately followed by an announcement from the Pentagon that they would tender a "$20 million public relations contract that calls for extensive monitoring of US and Middle Eastern media in an effort to promote more positive coverage from Iraq." (Wa Post)

Again, we see how utterly disconnected from reality Rumsfeld truly is. Rather than try to grasp the real issues involved, he cynically applies his energy to "attacking the messenger" or "perception management" strategies. These are the signs of someone who is pathologically incapable of personal accountability and who seriously believes that everyone else is to blame for his own failures.

No one is "manipulating the media" to oppose the war, quite the contrary. The corporate media has been a vital cog in the Pentagon's information stratagem and is probably the most reliable part of the war effort. They have maintained an astonishing level of public support for a war that has yet to provide any moral or legal justification or any recognizable "metric" for achieving victory. It simply grinds on day by day sucking up more blood and treasure while pulverizing the "cradle of civilization".

The Pentagon's own report provided the most scathing account of America's failed crusade. The report admitted that, "Sectarian violence is spreading in Iraq and the security problems have become more complex than anytime since the invasion in 2003...The illegal militias have become more entrenched, especially in Baghdad neighborhoods where they are seen as providers of both security and basic social services." (NY Times)

In other words, everything is worse and there is no reason to assume that it will get better soon.

Is the Pentagon part of the "Blame America First" crowd too? Is the high-command trying to "manipulate the media and demoralize public opinion" as Rumsfeld claims? (Note: Bush disputed the Pentagon's findings the very next day confirming that the fantasies of our "faith based" administration have spread throughout the entire upper-rungs of the administration)

Opposition to the war now surges from all segments of society and continues to grow despite optimistic accounts of progress in the media. From the very first bomb, America was defeated in Iraq. After 4 years of the most pitiless warfare against a civilian population, the magnitude of that defeat has only grown.

We do not look to Donald Rumsfeld to rationalize America's malaise in terms of "moral confusion," nor do we have any regard for the opinions of those deliberately inflict pain on other human beings in violation of the most fundamental standards of human decency. Those people are not morally fit to address the least complex ethical problem, let alone the pressing issues of war and peace.

Support for the war is on a steady downward trajectory. That decline in support will not be altered by the delusional accusations of a man who, more than any other, is responsible for the shame and degradation that conflict has brought on our country.

That man is Don Rumsfeld.

:: Article nr. 26361 sent on 03-sep-2006 11:08 ECT

:: The address of this page is : www.uruknet.info?p=26361

:: The views expressed in this article are the sole responsibility of the author and do not necessarily reflect those of Uruknet .

Curtsy (www.uruknet.info?p=26361)

طوبیٰ گرلز کالج لاہور

برائے انٹرمیڈیٹ و بی اے کلاسز

☆ دینی ذہن رکھنے والے گھرانوں کی بچیوں کے لیے تعلیمی و تربیتی مرکز

☆ قابل اور کوالیفائیڈ فیکلٹی

☆ باپردہ ماحول اور دینی تعلیم و تربیت کی اضافی سہولت

☆ لاہور بورڈ اور پنجاب یونیورسٹی میں نمایاں پوزیشنیں

☆ قریبی علاقوں سے ٹرانسپورٹ کی سہولت

احباب کالج کا نیا ایڈریس نوٹ فرمالیں

239-C، جوہر ٹاؤن لاہور۔ فون: 5172018

Vol: 15 Regd. No. LRL -50 No. 33

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

Going to War with the Leaders you have Mike Whitney

"As you know, you go to war with the army you have. They're not the army you might want or wish to have at a later time." Defense Secretary Donald Rumsfeld

Name one part of the occupation of Iraq that has succeeded?

From the shortage of soldiers, to de-Ba'athification, to the disbanding the Iraqi military, to the lack of body-armor, to leaving the ammo-dumps unprotected, to Falluja, to Abu Ghraib, to Haditha, to the stage-managed, public relations Jessica Lynch incident (which was later exposed as a sham) every facet of Iraqi fiasco has been a complete and utter failure.

And whose name is on that failure? Whose name features most prominently on the greatest strategic disaster in American history?

Don Rumsfeld. Hands down, Don Rumsfeld is the biggest flop in American history. No one else even comes close.

Major General Paul Eaton summarized Rumsfeld's dismal performance this way: "Rumsfeld has shown himself incompetent strategically, operationally and tactically, and is far more than anyone else responsible for what has happened to our important mission in Iraq".

Keep in mind that Eaton is a conservative Republican and a firm believer in America's preemptive war in Iraq. His comments simply reflect his ability to objectively judge performance and to assign blame where blame belongs. In this case, the person who is most responsible for the bungled policy in Iraq is Don Rumsfeld.

Fellow Lt. General Gregory Newbold was equally critical of Rumsfeld and said, "The decision to invade Iraq was done with a casualness and a swagger that are the special province of those who have never had to execute these missions---or bury the results."Newbold is right; they don't "bury the results" at the American Enterprise Institute, or at the Pentagon, or at the many smoke-filled, bastions where American plutocrats like Rumsfeld lark about, but in small-town America; Bakersfield, Winooski, Devils Lake, where parents and young widows choke back the tears for the men who lost their lives in Rumsfeld's folly. That's who pays the bill for Rumsfeld's arrogance.

Rumsfeld's failures are legion, but they do not compare to the disgrace he has heaped on the United States through his authorization of the cruel and inhuman treatment of prisoners in American custody. There is a clear record of official memoranda which lead straight to the office of the Secretary of Defense connecting Rumsfeld to a regime of torture and abuse directed at men who have never been charged with a crime and who are merely the unwitting victims of a terrorist witch-hunt.

Rumsfeld's involvement in these crimes puts him well-outside our fundamental traditions and beliefs as Americans. His conduct is an assault of the basic principles which we hold most dear and which are written into our founding documents.

"We hold these truths to be self evident..."

It is impossible to grasp how someone can be raised in America, matriculate at American universities, participate in the American political system, and spend the bulk of his life breathing in the same American customs and mores as the rest of us, and yet, be so completely divorced from the most essential values of the culture.

Rumsfeld is like a man who has passed through his entire life impervious to his surroundings and to the nations' prevailing ethos. He is, quite simply, the most un-American character to ever serve in high-office.

So, it is surprising, then, that the amoral Rumsfeld, whose litany of failures in Iraq and Afghanistan follow him like the plumage on a peacock, would decide to take aim at his many critics in a speech delivered to the American Legion on Thursday. It just shows that there are really no limits to the obtuseness of the men who currently hold power in America.

"Once again, we face similar challenges in efforts to confront the rising threat of a new type of fascism," Rumsfeld opined. "But some seem not to have learned history's lessons. Can we truly afford to believe that, somehow or someway, vicious extremists could be appeased?"

Rumsfeld's words are aimed at the 61% of Americans who no longer believe that the war in Iraq is "worth it". He dismisses them as "appeasers". Of course, at one time many of these same people supported the war and didn't care about the moral or legal issues as long as America prevailed. So, in fact, many of these "appeasers" actually changed their minds due to Rumsfeld's staggering incompetence in managing the conflict. The Sec-Def must examine his own performance to truly understand why public support has eroded so dramatically.

Tom Friedman summarized Rumsfeld's strategy as the "Rumsfeld Doctrine" that is, deploying "just enough troops to lose." And, as we have already shown, Rumsfeld has failed in every phase of the occupation without exception.

It is pointless to dispute Rumsfeld's allegations that his critics are "appeasers" or "fascist" sympathizers. It's just a silly attempt to set up a straw man and then knock him down. Rumsfeld is a master at shifting attention from his own wretched performance and dumping the blame on someone else. In this case, he attacks not only those who have lost faith in the war but, also, takes a few swipes at his old nemesis "the media".

The media has played a central role in sustaining support from the war; keeping